1986
1406
9

قد افلح من تزکّٰی و ذکر اسم ربہ فصلّٰی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاہد من جاہد نفسہ (حدیث شریف)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ المرشد چکوال

بیادِ

شیخ العرب والعجم صدیقِ دوراں مجددِ طریقت مجتہد فی التصوّف بحر العلوم شریعت

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام قلزمِ فیوض برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اداریہ

رحمت والی رات

جان جب جسم کے پردہ میں ظاہر ہونے لگتی ہے، بے صورتی جب صورت پکڑنے لگتی ہے اطلاق جب تعیّن قبول کرنے لگتا ہے تو لازمی ہے کہ وہ اپنے لئے بھی وہ تمام قیود و خواص اختیار کرلے جو جسم، صورت اور تعین مادی کے لئے ضروری ہیں۔ عالمِ جسم و کائناتِ مادہ میں داخلہ کے دو بڑے دروازے ہیں، زمان و مکان، لطیف سے لطیف نورانیت بھی جب سطح زمین پر نازل ہوگی تو انہی دروازوں میں داخل ہوگی برکت و رحمت جیسی لطافتیں بھی (جو بار الفاظ کا تحمل نہیں کرسکتی) کرۂ خاکی کو جہاں اور جب بھی سرفراز کریں گی وقت اور جگہ، زمان و مکان کی قید اور پابندی کے ساتھ ہی کریں گی۔

قدرت نے وقت کی تقسیم جو مختلف حصّوں میں کر رکھی ہے یہ بے معنی نہیں ہر موسم، ہر فصل، ہر گھڑی اپنے اعتبارات دوسرے سے الگ رکھتی ہے صرف اپنی بیرونی اور ظاہری تاثیرات ہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی اندرونی اور روحانی کیفیتوں، صلاحیتوں اور مناسبتوں کے لحاظ سے بھی۔ مہینے سال میں بارہ ہوتے ہیں۔ لیکن حج صرف ایک ہی مہینہ میں ادا ہوسکتا ہے۔ دن ہفتہ میں سات ہوتے ہیں لیکن جمعہ صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ گھنٹے دن میں چوبیس ہوتے ہیں لیکن نماز ہر وقت ادا نہیں کی جاسکتی۔

وقت کا کوئی ٹکڑا جب آتا ہے تو اپنے ساتھ اپنی ساری مناسبتوں کو بھی لاتا ہے۔ اور اپنی ساری کیفیتوں کو پھیلا دینا چاہتا ہے۔ رات کا سناٹا جب چھانے لگتا ہے تو چرند و پرند و انسان سب اپنے اپنے کاموں کو روک کر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ آفتاب کی سرگرمیاں

جب شروع ہوتی ہیں تو حیوان اور انسان سب کو اپنے اپنے کام یاد آجاتے ہیں سیارت میں جب آبِ زندگی آسمان سے اُترنے لگتا ہے تو زمین کی بھی ساری سوئی ہوئی زندگیاں نئے سرے سے بیدار ہو جاتی ہیں۔ بہار کا موسم آتا ہے تو کلیوں کے پھوٹنے اور پھولوں کے کھلنے کے ساتھ ہی انسانی دلوں کی کلیاں بھی کھلنے لگتی ہیں اور طرح طرح کی اُمنگیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی قسم کی مناسبتوں کو روح کی بولی میں دنوں کی فضیلتیں اور کرامتیں اور راتوں کی بزرگیاں اور برکتیں کہتے ہیں۔

یہ بھی فطرت کا ایک دستور ہے کہ جو واقعہ روحانیات کے عالم میں جس درجہ کا پیش آتا ہے اسی کی اہمیت کی مناسبت سے اس کی یادگار بھی اسی زمانہ کو قرار دے دیا جاتا ہے۔ اللہ کے خلیل نے ایک خاص موسم میں اپنے لختِ جگر کو قربانی کے لئے پیش کیا عین اسی زمانہ کو فریضۂ حج و قربانی کے واسطے سارے فرمانبردار بندوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ عاشورہ محرم کو روایات کے مطابق متعدد انبیاء کرامؑ کو اہم واقعات و معاملات پیش آئے اس روز کے روزے کی فضیلتیں بیان کر دی گئیں۔ دوشنبہ کے روز دنیا کو رحمت کا پیام عام سنانے والا آیا اس یوم مبارک کی یاد دل سے کیونکر مٹ سکتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی اُتاری ہوئی ہر نعمت بڑی ہی نعمت ہے لیکن اس کی ساری بڑی نعمتوں میں اگر کوئی نعمت سب سے بڑی قرار دی جا سکتی ہے تو یہ ہے کہ اس نے ہر تاریکی کو روشن کرنے ہر کجی کو درست کرنے، ہر پستی کو بلند کرنے، ہر مرض کو شفا دینے ہر دُکھ کو مٹانے کے لئے ہر موسم اور ہر زمانہ، ہر خطہ اور ہر ملک، ہر قوم اور ہر اُمت، ہر فرد اور ہر جماعت، ہر مرد اور ہر عورت، ہر بوڑھے اور ہر جوان کے ہاتھ میں ایک کامل و مکمل ہدایت نامہ اور ایک جامع اور مفصل دستور العمل دے دیا ہے جس کے بعد کسی انسان کو کسی علم و فن، کسی حکمت و صنعت، کسی استاد و مرشد کسی مدرسہ اور مکتب کی قطعاً کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ جس گھڑی اس آفتاب ہدایت کا "طلوع" ہوا ہے وہ وقت رات کا تھا۔ اس مبارک رات کی بزرگیوں اور سعادتوں کا کوئی انسانی دماغ احاطہ کر سکتا ہے؟ جس شب مبارک کو خود خالقِ لیل و نہار "شب مبارک" ارشاد فرمائے کس لیشر کے قلم میں یہ قوت ہے کہ اس کی کرامتوں اور فضیلتوں کی شرح کر سکے؟ کوئی لفظ کوئی عبارت کوئی عنوانِ تحریر ایسا ممکن ہے جو اس

پاک رات کی پاکیزگیوں۔ اور مستمرائیوں رحمتوں اور برکتوں، نعمتوں اور دولتوں کی تفسیر کے لیے کافی ہو سکے؟

پھول بہار ہی میں کھلتے ہیں اور کلیاں بہار ہی میں پھوٹتی ہیں۔ گلستان دہر اور چمن حیات کے لئے اس سب سے زیادہ خوشرنگ، شاداب اور دلکش پھول کیلئے کیونکر ممکن تھا کہ بجز موسم گل و فصل بہار کے کسی اور وقت کھلتا چنانچہ خود صدق مطلق کی لسان حق کا بیان ہے۔ کہ عین اسی موسم میں جو ازل سے نعمتوں اور برکتوں کی بارش کے لئے مخصوص ہو چکا تھا۔ گلشن کائنات کے اس سدابہار پھول نے اپنی عطر بیزیوں سے اہل ذوق کے مشام جاں کو معطر کیا۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن "یہ رمضان کا وہی مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا"۔ اسی ماہ مبارک کی ایک شب تھی جب اس شاہد رعنا نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ہم نے اسے ایک شب مبارک میں اتارا۔

انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین۔ فیھا یفرق کل امر حکیم... الخ

قرآن کریم کی ابتدائی نزول کی گھڑی کو جسے ایک جگہ لیلۃ مبارکۃ سے موسوم کیا گیا ہے دوسری جگہ لیلۃ القدر کے خطاب گرامی سے یاد فرمایا گیا ہے۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ۔ الخ شب قدر وہ برتر اور گرامی شب ہے کہ جو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے جس مبارک رات کو قرآن جیسی بے نظیر نعمت دنیا کو ملی ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کے فرمانروا نے خاک کے پتلے کو اپنے محفوظ کلام کے شرف سے سرفراز فرمایا ہو اس کی رحمتوں اور برکتوں کا احاطہ کرنا، انسانی دماغ کے تراشے ہوئے علم الحساب کے اعداد سے بھلا کس طرح ممکن ہے؟ یہ شب مبارک آتی کب ہے؟

روح و جان کی دنیا میں بہار کے موسم کا نام ماہ رمضان ہے۔ اس ماہ مبارک کا سب سے زیادہ مبارک زمانہ اس کا آخری عشرہ ہوتا ہے۔ پھول کوئی بھی کھلتا ہے چمن مہکنے لگتا ہے لیکن گلاب کی کلی جب کھلتی ہے تو اس وقت چمن کی مہک ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ رمضان کا آخری عشرہ چمن میں گلاب کے کھلنے کا زمانہ ہوتا ہے، پاکوں اور پاکبازوں کا سردار اس عشرہ بھر، ذکر و عبادت الٰہی کے لئے وقف رہتا ہے۔ اسی عشرہ کی کسی مقدس رات میں وہ مقدس گھڑی آجاتی ہے۔

جس کی فضیلتوں اور برکتوں کی شرح وتفصیل کے لئے لفظ وعبارت کا دفتر ناکافی ہے اس دولت بے بہا کی تلاش میں اگر انسان اپنی راتوں کی نیند بھی قربان نہ کر سکے تو یقیناً اس کے دل کو اس قدر دانی رات کی ذرا بھی قدر نہیں اس کے تعیّن سے اسی لئے قصداً ومصلحتاً بے التفاتی برتی گئی ہے اس کی بابت دنیا کا سب سے بڑا حکیمؐ اپنی اُمت سے یہ ارشاد فرماگیا ہے "اس کو تلاش کرو آخر عشرہ رمضان کی طاق راتوں میں" (بخاری) جن جاگتے ہوئے دلوں کی آنکھیں "آج" ان راتوں کو کسی کی یاد میں جاگ جاگ کر کاٹیں گی "کل" وہ خود محسوس کریں گے کہ ان کی آنکھیں نہیں ان کا نصیبہ جاگ رہا تھا۔

(منقول از "صبح" لکھنؤ)

———————— (مدیر)

تصوّف دراصل بیداریٔ قلب کے سوا کچھ نہیں (کشف المحجوب)

اسرار التنزیل

تقریر حضرت مولانا شیخ المکرم ملک محمد اکرم صاحب دامت برکاتہم

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ

تحدیث نعمت

اللہ تعالیٰ نے جسمانی طور پر حرمین شریفین اور بارگاہِ رسالت پناہی میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حاضری کی سعادت نصیب فرمائی اور یہ سب سلسلہ عالیہ کی برکات ہیں اور جتنی اللہ کریم کسی کو نعمت عطا فرماتا ہے اس کے مطابق اس شخص پہ اللہ کا شکر واجب ہو جاتا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ شکر محض زبان سے کہنے یا الفاظ کا نام نہیں شکر نام ہے اس احساس ذمہ داری کا جو اس نعمت کے عطا کیے جانے کی وجہ سے اس شخص پہ عائد ہوتی ہے۔ چونکہ شکر ایک عمل کا نام ہے چند الفاظ کا نام نہیں ہے،

تو جتنی عطا ہے اللہ کریم کی طرف سے اتنا ہی اظہار عجز، نیازمندی اور اسی شدت کے ساتھ اللہ کی اطاعت کا جذبہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا جذبہ اور عملی زندگی میں اس کا اثر ظاہر اور ہویدا ہونا چاہیئے۔

انسان کامل

قرآن حکیم نے تمام کائنات میں انبیاء و رسل میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مثالی ہستی قرار دیا ہے قرآن حکیم کا اسلوب بیان جو ہے یہی اس کے معنی پہ روشنی ڈالتا ہے کہ "محمد رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ مثالی انسان، مثالی ہستی اللہ کا رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ مزاج انسانی ہے کہ ہر انسان کا کوئی جسے آپ آئیڈیل کہتے ہیں" ایک ایسا مثالی اور معیاری انسان ہوتا ہے کہ جس جیسا بننا وہ پسند کرتا ہے۔

آپ اگر تھوڑا سا غور فرمائیں تو آپ کو یہ بات بڑی واضح نظر آئے گی کہ جس قسم کا انسان ملک کا سربراہ بن جاتا ہے، اکثریت لوگوں کی لباس میں بھی عادات میں بھی بات کرنے کے انداز میں بھی اس جیسا بننے کی کوشش کرتی ہے چونکہ وہ ان کے نزدیک معیاری

اور مثالی آدمی ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں ہمارے ملک پر ایک صدی تک انگریز کی حکومت رہی۔ نصف صدی انگریز کو گئے ہوئے بھی ہونے کو آئی ہے لیکن ابھی تک بھی لوگوں کے دلوں سے اس کی عظمت اور اس کی شان و شوکت مٹ نہیں سکی اب بھی لوگ اپنے آپ کو انگریز جیسا بنا کر فخر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بہت بڑا کام کر رہے ہیں یہ انسان کا مزاج ہے۔ آپ کسی گاؤں کسی قریئے میں کسی علاقے میں دیکھ لیں تو جس شخص کو لوگ معیاری انسان سمجھتے ہیں یا جس شخص کو بڑا آدمی جانتے ہیں اس جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں حلیے میں بھی شکل میں بھی۔ اور اس کے قریب تر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے اعمال میں اور باتوں میں یہ لحاظ رکھتے ہیں کہ کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکل جائے کہ وہ شخص ناراض ہو جائے تو یہ سارے معیار جو ہیں کسی کو ہم خاندان میں بڑا سمجھیں، کسی کو علاقے میں کسی کو ملک میں مثالی انسان سمجھیں یا کسی کو دنیا میں یہ ہمارے بنائے ہوئے معیار ہیں۔ ان میں بعض اوقات اتفاقاً درست بھی ہوتے ہیں لیکن اکثر ہمارے بنائے ہوئے معیار اور پیمانے غلط ہوتے ہیں۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب کریم نے ساری کائنات اور ساری انسانیت کے لئے مثالی انسان قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم کی یہ شان دہی نسل انسانی کو متوجہ کرتی ہے کہ اگر تم کسی جیسا بننا چاہتے ہو تو وہ معیاری انسان ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر تم کسی کی غلامی کرنا چاہتے ہو تو اس کا حق دار ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اگر تم کسی کا ہو کر رہنا چاہتے ہو اگر تم یہ کہلوانا چاہتے ہو کہ اس کا تعلق فلاں ہستی سے ہے یہ فلاں کا خادم ہے یہ فلاں کا نوکر ہے یہ فلاں کا ملازم ہے تو یہ بات شایانِ شان ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ حکمرانوں کی حکومت وقتی اور عارضی ہے صاحب ثروت کی دولت فانی ہے طاقت ور اور شہزور کی جوانی بالکل ہنگامی سی بات ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت ابدی ہے جسے کبھی زوال نہیں ہوگا۔ آپ کی عظمت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اور شوکت ساری کائنات پر ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے تو ہر مسلمان خواہ وہ امیر ہے یا غریب عجمی ہے یا عربی گورا ہے یا کالا عالم ہے یا زاہد صوفی ہے یا گیا گزرا انسان جو بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلواتا ہے اس کا ہمیشہ یہ دعویٰ ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خادم ہوں۔ خواہ وہ کیسا ہے کسی حال میں ہے کہیں ہے۔

جب عالم بھی کہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں ان پڑھ بھی کہے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خادم ہوں جو مسجد میں ہے وہ بھی کہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں اور جو بازار میں ہے وہ بھی یہی دعویٰ کرے تو اس دعوے کی کوئی پرکھ کوئی معیار

تو ہونا چاہیئے۔ کوئی بات تو ایسی ہو کہ اُسے سامنے لا کر یہ دیکھا جا سکے یہ شخص جو دعویٰ کرتا ہے اس میں کتنی صداقت ہے یا ہر شخص اپنے سامنے آئینہ رکھ سکے کہ جو دعویٰ میں نے کیا ہے اُس میں کس حد تک سچا ہوں تو ان آیات کریمہ میں رب جلیل نے وہ معیار ارشاد فرما دیا، اوصاف ارشاد فرما دیئے۔

احتساب نفس

منشاء باری یہ ہے کہ میں اور آپ یہ پیمانہ لے کر دوسروں کا قد ماپنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اسے آئینے کی طرح اپنے سامنے سجا کر خود اپنے خدوخال کا جائزہ لیں کہ ہم بھی اس کے مماثل ہیں کہ نہیں۔ خوش قسمت ترین تھے وہ لوگ جنہیں تقدیر نے جنہیں ذات باری نے مادی طور پر جسمانی طور پر زمانی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کے لئے چن لیا۔ قرآن کریم کے مخاطب اوّل اور وحی الٰہی پہ عمل کر کے دنیا کو اُس کی عملی تعبیر بتانے والے۔ اللہ کی کتاب اللہ کی وحی اللہ کے پیغام اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو عالم انسانیت تک پہنچانے والے، ساری کائنات کی تمام امتوں میں انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ساری خدائی سے افضل ترین تھے وہ لوگ جنہوں نے یہ حق ادا کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کس طرح کی جانی چاہیے۔

مثالی معاشرہ

اللہ جل شانہٗ نے معیار مقرر فرمایا اور ان لوگوں نے عملی زندگی میں مخلوق کے سامنے یہ دلیل پیش کر دی کہ یہ معیار قابل عمل ہے اِس میں کوئی بات ناقابل عمل نہیں ہے اطاعت میں غلامی میں محبت میں اور عشق میں وہ لوگ پوری دنیا کے امام ہیں رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ وہ قرآن کریم کے مخاطب اوّل ضرور ہیں لیکن یہ بات یاد رہے کہ قرآن قیامت تک کی ساری انسانیت کے لئے معیار ہدایت ہے اور اس بات کا بھی پورا احساس رہنا چاہیئے کہ میرا اور آپ کا حساب بھی اسی معیار پر ہوگا۔ ہم اس طرح فارغ نہیں ہو سکتے کہ یہ آیات تو صرف صحابہؓ کی شان میں نازل ہوئی تھیں۔ صحابہ اِن کی عملی تفسیر تھے اور ہم سے بھی ان پر عمل کا مطالبہ ہے۔

اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے اس معیار کو بتلانے والا ہے صحابہ رسول رضی اللہ عنہم عملی زندگی میں اس معیار کو اپنانے والے ہیں اور صحابہؓ کے بعد قیامت تک آنے والی انسانیت میرے اور آپ سمیت اسی معیار پہ پرکھی جانے والی ہے تو اِن چند آیات میں جو نقشہ قرآن حکیم نے پیش فرمایا وہ یہ ہے والذین معہ۔۔۔

جن لوگوں نے اپنا آئیڈیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا لیا ہے۔ جن کے نزدیک معیاری انسان ان جیسا ہونا چاہیئے اور جس جیسا ہونے پہ فخر ہونا چاہیئے وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا ان لوگوں میں کچھ اوصاف ہوتے ہیں۔ ان کا ایک حلیہ ہے ان کا

ایک نقشہ ہے کچھ خاص باتیں ہیں جن سے ان کو پرکھا جا سکتا ہے اور وہ یہ تھیں۔

اول۔ وہ لوگ بڑے سخت مزاج ہوتے ہیں ان میں کوئی لچک نہیں ہوتی وہ سمجھوتہ نہیں کرتے۔ بڑا شدید ہوتا ہے مزاج ان کا۔ لیکن کس کے لئے "اشداء علی الکفار" کفر کے لئے کافر کے لئے گناہ کے لئے برائی کے لئے ان کے پاس سمجھوتے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جنہیں آپ کی خدمت غلامی کا دعویٰ ہے اللہ فرماتا ہے انہیں زیب نہیں دیتا کہ وہ گناہ کی زندگی کے ساتھ سمجھوتہ کر لیں یہ لیکن نہیں کہ وہ بری محفلوں میں بیٹھیں ان سے یہ ہو ہی نہیں سکتا یہ ان کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ وہ کفر کو کافر کو اور کفر کی حرکات کو اور مفضی الی الکفر افکار اور اعمال کو برداشت نہیں کر سکتے۔

۔ رحماء بینھم لیکن بات جب ایمان کی آتی ہے تو ان جیسا نرم مزاج نرم خو اور محبت کرنے والا کائنات میں کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔

صحابہؓ کی عظمت

میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ صحابہؓ ایسے تھے اور باقی ساری انسانیت میں جو اسلام کا مدعی ہو اسے بھی ایسا ہونا چاہیے صحابہؓ اس کی عملی مثال تھے اور ہم سے اس کی پرسش ہوگی۔ یعنی وہ نیکی کے لئے ایمان کے لئے مومن کے لئے بھلائی کے لئے اچھائی کے لئے اچھے ماحول کے لئے حلال اور جائز کام کے لئے اتنے نرم خو۔ اتنے نرم دل اور ہر وقت دست بستہ خدمت کے لئے حاضر۔ لیکن جب بات گناہ کی کفر کی۔ برائی کی آتی ہے تو ان کے لئے ان جیسا کوئی دوسرا سخت مزاج واقع نہیں ہوتا۔ فرمایا ان کی ساری زندگی رکوع اور سجود سے عبارت ہوتی ہے۔

تراھم رکعا سجدا کہ اے مخاطب تو کسی لمحے دن ہو یا رات انہیں دیکھے تو وہ رکوع اور سجود میں ہی ہوں گے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اپنے ظاہری اعضاء کے ساتھ بھی اپنے باطنی قویٰ کے ساتھ بھی اپنے دماغ کے ساتھ بھی اپنے دل کے ساتھ بھی اپنی نگاہ کے ساتھ بھی اور اپنی زبان کے ساتھ بھی۔ یہ بات بڑی عجیب نظر آتی ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو ہر وقت عبادت کرتا رہے یہ کام فرشتوں کا ہے جنہیں اللہ جل شانہٗ نے نفس نہیں لگایا نفسانی ضروریات نہیں لگائیں بھوک نہیں ہے پیاس نہیں ہے بیوی نہیں ہے بچہ نہیں ہے گرمی نہیں ہے سردی نہیں ہے نیند نہیں ہے کوئی بھی ایسی بات جو نفس کی کمزوریوں سے متعلق ہے ان میں نہیں ہے ان کا کھانا اطاعت الٰہی ہے سونا بھی اطاعت الٰہی ہے بات کرنا بھی اطاعت الٰہی ہے "لا یعصون اللہ و یفعلون ما یؤمرون" کبھی نافرمانی نہیں کرتے لیکن انسان فرشتہ نہیں۔ انسان انسان ہے اس کے ساتھ نفس ہے اور اس کی ضروریات ہیں یہ ان کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا اسے کھانا ہے کمانے کے لئے کمانا ہے اسے سونا ہے اسے آرام کرنا ہے اسے پانی پینا ہے اسے غسل کرنا ہے اسے دوستی

کرتی ہے اسے اولاد کی پرورش کرنی ہے اسے دشمنوں سے اپنا بچاؤ کرنا ہے۔ اسے کیا کیا کچھ نہیں کرنا تو کیا وہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہونے کا مدعی ہو یہ سارے کام چھوڑ دے صرف رکوع اور سجود کرتا رہے! کیا وہ معیاری انسان جو واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خادم تھے انہوں نے یہ سب کچھ چھوڑ دیا تھا صرف نماز ہی پڑھا کرتے تھے! ایسی بات نہیں ہے۔

عبادت کی روح

رکوع اور سجود ہے کیا؟ رکوع ہے اپنے سر کو جھکا دینا اور اس بات کا اقرار کرنا کہ خدایا تو بڑا ہے میں کوئی چیز نہیں تو پاک ہے تو میرا رب ہے تو سب سے بڑا ہے سبحان ربی العظیم تین باتیں آتی ہیں اس تسبیح میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے لئے تعلیم فرمائیں اور جو حالت آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی اس میں عجز کی نیازمندی اور تذلل کی ایک صورت ہے کہ آدمی اللہ اکبر کہتا ہے خدا ہی بہت بڑا ہے بڑائی اسی کے لئے ہے تو گھٹنوں کے بل جھک جاتا ہے سرِ نیاز جھکا دیتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ خدایا مجھ میں لاکھوں کمزوریاں ہیں اور تو ہر عیب سے پاک ہے پھر کہتا ہے تو میرا رب ہے میری تمام حاجات میری تمام ضروریات میری زندگی کے ہر ہر لمحے کا نگہبان تو ہی ہے۔ اور پھر کہتا ہے تو بہت بڑا ہے، سبحان ربی العظیم۔

دوسری حالت ہے سجدے کی۔ سجدہ کیا ہے وہ یہ الفاظ کہہ کر حضورِ الٰہی سے آشنا ہوتا ہے اللہ کی عظمت مزید گہری ہو جاتی ہے تو پھر اس کے گھٹنے بھی اس کا بوجھ نہیں سہار سکتے۔ پھر وہ نہایت عجز کے ساتھ گر جاتا ہے زمین پہ پیشانی ٹیک دیتا ہے اور کہتا ہے پاک ہے میرا رب اور سب سے اعلیٰ ہے سبحان ربی الاعلیٰ

پورے خشوع وخضوع کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے ظاہری حالت کو اس طرح بنا کر زبان پہ حمد اور تسبیح اور اللہ کی بڑائی کو جاری کر کے جب انسان یہ فعل کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ رکوع کر رہا ہے یا سجدہ کر رہا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں جنہیں معیت پیامبر حاصل ہے وہ دنیا کا کوئی کام بھی کریں تو اُن میں تین باتیں ضرور اُن کے سامنے ہوتی ہیں ایک بات تو یہ ہوتی ہے کہ میں جو بھی کر رہا ہوں میرے کرنے میں ہزاروں عیب ہزاروں خطائیں خامیاں ہو سکتی ہیں لیکن میرا رب تمام خامیوں سے پاک ہے۔ اپنی کسی بات پہ نازاں نہیں ہوتے کہ میں نے یہ کام کر دیا ہے میں نے بڑا تیر مارا۔ جو بھی کرتے ہیں اس کی کوتاہیوں پہ لرزاں اور ترساں رہتے ہیں۔

خوف الٰہی

عبادت محنت نیکی ورع اور تقویٰ اختیار کرنے کے بعد

اللہ کی عظمت سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں وہ کیا
قول یوم کان عبوثاً کمترسیا"۔ حاضری کے دن سے
اُس کی بارگاہ میں پیشی کا خوف اُن پہ طاری رہتا ہے۔
اُن کا عمل اور اُن کا طرز عمل یعنی جو کام وہ کر رہے
ہوتے ہیں اور جس انداز سے وہ کر رہے ہوتے ہیں،
یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہیں اپنے عجز کا احساس ہے۔ اُن
میں تکبر نہیں ہوتا اکڑ نہیں ہوتی سر کو جھکا کر کام کر
رہے ہوتے ہیں۔ اور اُس کام کرنے کی غرض و غایت
اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت دوسروں پر
اُجاگر ہو یعنی میرے کام کرنے سے دوسروں پر بھی
اللہ کی عظمت واضح ہو۔ تو اس طریقے سے جو کام بھی
وہ کرتے ہیں وہ رکوع اور سجود ہی شمار ہوتا ہے۔ اللہ
کے حکم کے مطابق ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت
کے مطابق ہو اور خلوص کے ساتھ ہو تو پھر سونا جاگنا
اٹھنا بیٹھنا دوستی دشمنی جینا مرنا یہ سب کیا بن جاتا
ہے رکوع اور سجود بن جاتا ہے اللہ کی بارگاہ کی حضوری
اور حاضری بن جاتا ہے تو فرمایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل
ہے انہیں تو جب بھی دیکھے گا وہ نہایت خلوص کے
ساتھ اللہ کی اطاعت کر رہے ہوں گے اللہ کی عظمت
کو واضح کرنے کے لئے اور اپنے عجز اور نیاز مندی
کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ لوگ ایسے ہوتے
ہیں۔

جنتیوں کے نشان

اللہ تعالیٰ کا جلوہ جنت میں ہویدا ہوگا۔ ہر
خلقی اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کے دیدار سے مشرف
ہوگا۔ کسی کو سال میں چند لمحے کسی کو اس سے زیادہ کسی کو
مہینے میں کسی کو ہفتے میں اور کسی کو دوام حضور حاصل
ہوگا۔ تو فرمایا جو لوگ دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کا ہو کر رہنا چاہتے ہیں آپ کی معیت طلب کرتے ہیں
اور اس کے لئے کوشاں ہیں اور خلوص اور خشوع و
خضوع کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔۔۔
۔۔۔ سیما ہم فی وجوہہم من اثر سجود۔ تجلیات باری
جو ہیں ان کے چہروں پہ رقصاں رہتی ہیں یعنی وہ جنت
کی نعمتوں کو بانٹنے والے ہوتے ہیں جو چیز جنتیوں کو
وہاں پہنچ کر حاصل ہوگی ان کے چہروں کو دیکھ کر یہاں
بھی لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے،

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عملی نمونہ تھے
اس کا اور قیامت تک آنے والے انسانوں سے اسی
معیار کی طلب کی جائے گی۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان
میں کا ایک ایک فرد انسانوں کو انسانی قسمتوں کو انسانی
مزاجوں کو انقلاب آشنا کرے۔

میں ہوں یا آپ سب ہم اس راہ سے آشنا نہیں
تھے۔ خداوند کریم کی بے حد و بے حساب رحمتیں نازل
ہوں اور برکتیں وارد ہوں اس مرد درویش کی قبر
پر جس نے لذت آشنائی بخشی۔ کتنی عجیب بات ہے۔

اس زمانے کی جس میں آج ہم سانس لے رہے ہیں انفرادی خصوصیات ہیں اور وہ یہ ہیں کہ لوگوں کو خدا نے مادی آسائیش بے حساب عطا کردی ہیں ۔ یوں پتہ لگتا ہے جیسے قیامت بالکل قریب ہو اور اللہ نے مادی نعمتوں کو لٹا دیا ہو کہ انہیں ختم کیا جائے اب یہ کھیل ختم ہونا چاہیئے جیسے کوئی بانٹتا رہتا ہے نا دو دو چار چار روپے دس دس روپے پچاس روپے اور جب اسے ختم کرنا چاہے تو اس خزانے کا دروازہ ہی کھول دے ، لٹا دے کہ جو جس کو ملتا ہے اٹھا لو یار اب اس جھنجھٹ کو ختم کریں ۔ یوں نظر آتا ہے کہ اللہ کریم نے انسانوں کے لئے جو نعمتیں بنائی تھیں اب اس کا دروازہ کھول دیا ہے کہ لوٹ لو جو جسے ملتا ہے لیکن یہ لوٹ قیامت کا پتہ دیتی ہے ۔

مادہ پرستی

اس لوٹ نے یہ احساس چھین لیا ہے کہ یہ لوٹ تو خاتمے کی دلیل ہے ہر شخص مادی آسائشوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے ۔ دولت موٹریں کاریں کوٹھیاں جائیداد اقتدار وقار لباس کھانا پینا اور طرح طرح کے اسباب راحت لوگوں کی توجہ کا مرکز بن چکے ہیں اس افراتفری میں صرف ہم اور آپ ہی نہیں دنیا کو دیکھیں اس لوٹ نے لوگوں کے دلوں سے محبت اور انس کا جذبہ چھین لیا ہے والدین اپنی لذت حاصل کرنے کے لیئے بھاگ رہے ہیں اور اولاد اپنی لذتیں حاصل کرنے کے لئے بھاگ رہی ہے ۔ باپ کو بیٹی کی خبر نہیں اور بھائی کو بہن کی خبر نہیں بیٹیا ماں کو نہیں پوچھتا اور بھائی بھائی سے بے خبر ہے ہر کوئی نفسانی لذات کی لوٹ میں لگا ہوا ہے دوسرے کے لئے نہ کسی کے پاس فرصت ہے نہ کوئی سوچ اور نہ ہی کوئی محبت کا جذبہ ۔ آپ دنیا پہ نگاہ ڈالیں یورپ ہو ویسٹ ہو یا ایسٹ نارتھ ہو یا ساؤتھ ہر طرف افراتفری لوٹ مچی ہوئی ہے ۔

جہاں مادی لذات کی لوٹ مچی ہوئی ہو وہاں مخلص رہنے والے لوگوں کو کوئی ایسا درد عطا کر دے کہ وہ اس ہنگامہ ہاؤ ہو میں جمال باری کی طلب لئے اٹھ کھڑے ہوں پھر اس سے بڑا کمال کیا ہوگا ، اس سے بڑی بات کیا ہوگی ۔

تغیرات زمانہ

وقت گزرتا رہتا ہے اور اپنے ساتھ بھی افراد کو لے جاتا ہے یہاں سے جانے والا ہر آدمی بہت سی باتیں ساتھ لے جاتا ہے اچھا ہوتا ہے کہ سن سنائی جائیں تاکہ بات تو باقی رہ جائے ۔ جب ہم نے ان اجتماعات کی بنیاد رکھی تھی تو ایک حضرت جی تھے اور دوسرا ہوتے کا شرف اللہ تعالیٰ نے میری قسمت میں رکھا تھا یہ دو آدمیوں کی جماعت بنی تھی اور دو ہی آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا ۔ ساتھی پرانے تھے لیکن ابھی اجتماع شروع نہیں ہوا تھا صرف پانچ سات ساتھی تھے پرانے جو وقتاً

وقتاً فوقتاً حضرت جی کے پاس حاضر ہوتے رہتے تھے۔
جب مجھے آپ کی رفاقت کا شرف نصیب ہوا تو حضرت نے اجتماع کی بنیاد رکھی، دس بارہ دن کا وقت ہوتا تھا، حضرت تشریف لاتے تھے، یہاں نور پور سے پیدل ہم جاتے تھے، چار یا پانچ میل اوپر جنگل میں ایک ڈیرہ ہے ہمارا وہ مکان ابھی ہے جس میں ایک حضرت ہوتے تھے اور ایک میں۔ یہی سرد راتیں بھی ہوا کرتی تھیں کبھی سردیوں میں بھی تشریف لاتے تھے۔ گرمیوں کا آپ نے اجتماع شروع فرمایا۔ پھر دو سے تین تین سے پانچ، پانچ سے سات، پندرہ، بیس پچیس تقریباً بیس پچیس تک احباب وہاں ہو جاتے تھے۔ سالانہ اجتماع کی بنیاد ہم نے گرمیوں میں رکھی تھی۔

یہ اجتماع اور یہ جماعت بنی ہی نیکی اور تقوی پر تھی "اسس علی التقوی" صرف اللہ کے لئے صرف نیکی کے لئے صرف احیائے دین کے لئے اور صرف اور صرف انسانیت کو جھنجھوڑنے کے لئے اور مسلمانوں کو پھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنا کرنے کے لئے۔ اور کوئی غرض نہیں تھی۔ ہماری منزل نہ سیاست تھی نہ دولت نہ حکومت تھی نہ اقتدار، صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے اور مشائخ بالا کے حکم پر اُن کی اجازت سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضرتؒ نے یہ بنیاد رکھی تھی۔

یہ باتیں میں اس لئے نہیں دہرا رہا کہ ان سے مجھے کوئی اپنی بڑائی بیان کرنا مقصود ہے یہ تاریخ ہے آپ کی، آپ کی جماعت کی اور تاریخ کو افراد کے ساتھ دفن نہیں ہونا چاہیئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادت مبارکہ تھی جب آپ اس عالم آب و گل میں جلوہ افروز تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بات عمومی انداز میں فرمایا کرتے تھے اور سننے والے سن کر اس کی اطاعت کرتے تھے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کو فرما دیں کہ تم ایسا کرو اور وہ ایسا نہ کر سکے تو اس کے بچنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اس لئے آپ کا انداز تخاطب ہوتا تھا کہ لوگوں کو ایسا کرنا چاہیئے تو پھر ہر کوئی اپنی حیثیت کے مطابق اس پر عمل پیرا ہوتا تھا۔

اسی طرح حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بیس پچیس سال ربع صدی لگادی علیحدہ اور تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے میں۔ آپ کے ابتدائی سولہ سال ایسے ہیں کہ وہ صرف آپ کے اپنے ہیں اس میں آپ اکیلے ہیں سولہ برس تک کسی کو خبر نہیں دی کہ میں کیا کرتا ہوں جو کچھ اپنے شیخ سے سیکھتے تھے دہراتے تھے یا جو آپ کے معمولات تھے وہ اکیلے کرتے تھے سولہ سال کے بعد کچھ لوگوں کو ساتھ ملایا لیکن محض چند کو۔ چند ایک آدمی موجود ہیں ایک آدھ کا انتقال ہو گیا ہے۔

یہ قانون ہے کہ جب آپ پبلک میں جائیں گے لوگوں سے ملیں گے تو کیفیات میں لذات میں انوارات میں کمی آجاتی ہے۔ حضرتؒ اس کی بہت احتیاط کرتے تھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک روز میں بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما رہے تھے یہ اسلام جو ہے اس کی دیواروں میں پتھر نہیں میرے صحابہؓ کی ہڈیاں چنی ہوئی ہیں اس پر گارا نہیں میرے صحابہؓ کا گوشت لگا ہے اور پانی کی جگہ میرے صحابہؓ اور خدام کا خون لگا ہے آپ لوگ ان کی توہین کرتے ہیں ان پہ اعتراض کرتے ہیں ان پہ تنقید کرتے ہیں اور جاننے والے اگر خاموش بیٹھے رہیں گے۔ اس غرض سے لوگوں سے ملیں کہ ہمارے تو مشاہدات متاثر ہوتے ہیں تو کل میدانِ قیامت کے لئے جواب سوچ لیں اور یاد رکھیں کہ کل وہ کیا جواب دیں گے۔ تو حضرتؒ فرماتے تھے یہ بات سن کر مجھ پہ کپکپی طاری ہو گئی اور میں نے طے کر لیا کہ یہ خلوت کی درویشی فائدہ مند نہیں۔

تو پھر آپ حضرات نے دیکھا کہ اللہ کا وہ بندہ تب سے لیکر دنیا سے رخصت ہونے تک اپنے مشن میں سرگرداں رہا۔ عمر بیت گئی بڑھاپا غالب آگیا کمزوری بیماری دکھ تکلیفیں آئیں لیکن وہیل چیئر پہ بیٹھ کر بھی اس اللہ کے بندے نے سفر کیئے دین کے لئے۔ اور واقعی لوگوں کو پھر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طلب دے دی۔

وہاں سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ ہے جسے آپ اجتماع کہتے ہیں یا سلسلہ کہتے ہیں۔ وہ لمحے بھی یاد ہیں اور آج کی رونقیں بھی دیکھ رہے ہیں۔ اللہ کا یہ عظیم احسان ہے کہ ایک جنگل کی تنہائی اور گوشے سے شروع ہونے والی بات کو میں نے اس جون میں حرمین شریفین میں بھی دیکھا۔ آپ کے ہم جب مدینہ منورہ ذکر کرتے تھے تو کمرے بھر جاتے تھے گلی تک جگہ نہیں ملتی تھی۔ مکہ مکرمہ میں جب ذکر ہوتا تھا تو فلیٹ بھر جاتا تھا چار یا پانچ کمروں کا پرسوں جب ہم ابوظہبی سے روانہ ہو رہے تھے تو بیشتر لوگ اجازت لے کر اپنی ملازمتوں پہ چلے گئے تھے دور و نزدیک کے احباب اور کچھ مقامی جو تھے وہ نوکریوں والے تھے انہیں چھٹی نہیں ملتی تھی اس کے باوجود کم و بیش سو یا اس سے زیادہ آدمی تھے ذکر کرنے والے یعنی آپ دیکھیں اللہ کے ایک بندے نے جنگل کے گوشے میں تنہا اور لمبی راتوں میں پیدل سفر کر کے ایک جگہ بیٹھ کر ایک بنیاد رکھی ایک اینٹ رکھی اور کتنے درد اور کتنے خلوص سے رکھی۔ اللہ نے اسے کتنا

شرف قبولیت بخشا کہ آج روئے زمین پر افریقہ سے لیکر جاپان تک جماعت اور اجتماعات اور ذکر ہے۔ یہ کہاں سے لیا ہے ہم نے کس نے دیا۔ اور انشاء اللہ انشاء اللہ العزیز آپ دیکھیں گے ابھی تو ابتداء ہے یہ بہت دور تک جائے گا۔

تو میں نے آپ کا وقت اس لئے لیا ہے کہ ہم پر اس کا شکر واجب ہے ہم پہ کتنا کرم ہے کہ اس زمانے میں ہمیں بارگاہ نبوت کی طلبی کا شرف حاصل ہے حضوری کا شرف حاصل ہے۔ ہم بلائے جاتے ہیں عطا ہوتا ہے اور اس طرح عطا ہوتا ہے کہ ہر حاضری میں مدینہ منورہ میں جتنی بار شرف حاضری نصیب ہوا کوئی شخص جو صرف ایک لطیفہ کرتا ہے اسے بھی وہاں حضوری نصیب ہوتی ہے۔ اور اس کے حصے کا بھی اسے کچھ نہ کچھ عطا ہوتا ہے کوئی خالی نہیں رہتا ایک بات جو میں آپ سے کہنا چاہوں گا وہ یوں ہے وہاں جب عطا ہوتی ہے میں نے دیکھا ہے کہ اس کی ترتیب میری اور آپکی خدمات کے مطابق ہوتی ہے جو دین کی جتنی زیادہ خدمت کرتا ہے دوسروں تک پہنچانے میں، ذکر اذکار کا اہتمام کرنے میں ساتھیوں کو جمع کرنے میں تو وہ شخص یہاں ہوتا ہے وجود بھی اس کا یہاں ہوتا ہے لیکن وہاں وہ ان سے بھی آگے کھڑا ہوتا ہے جو وہاں پہنچ چکے ہوتے ہیں وجود لے کر۔

قرب رسالت

یہ بالکل بڑی واضح بات سن لیں سب حضرات کہ قرب رسالت جو ہے اس کا مدار دین کی خدمت پر ہے۔ ایک آپ دیکھ لیں طرح طرح کے لوگ ہیں ایک وہ ہیں جنہیں ساتھی بلانے جائیں تو ذکر کے لئے جاتے ہیں اُٹھانے جائیں تو اُٹھتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو دوسروں کا بھی فکر کرتے ہیں اُٹھ کر انہیں بھی اُٹھانے جاتے ہیں کہ اٹھو کر اللہ اللہ کر لو۔ یہ جو اُٹھانے والے ہیں یہ آگے کھڑے ہوتے ہیں اور دوسرے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں ترتیب جو قرب کی ہے وہ اس طرح سے ہوتی ہے۔ بعض لوگ یہاں تھے تو انہیں میں نے وہاں والوں سے آگے کھڑا دیکھا۔ تبھی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ سب اگلی صف میں کیوں نہیں چلے جاتے ہر ایک کیوں نہیں داعی بن جاتا۔ تو یہ نعمت عظمیٰ جو اللہ نے ہمیں عطا کی ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کو جس کا سبب اور وسیلہ بنا دیا ہے ہم پر اس کا اتنا ہی عظیم شکر واجب ہے۔ اس لوٹ کھسوٹ کے زمانے میں خدا نے ہمیں دیدہ دل عطا کر دیا جب کہ دلوں کی موت کا وقت ہے دلوں کی تباہی کا زمانہ ہے دل اجڑ چکے ہیں یہ بستیاں ویران ہو چکی ہیں تو اگر کسی کو دل کی زندگی نصیب ہو تو اتنا ہی شکر واجب ہے

شکر نعمت

اور شکر نام ہے عمل کا جو ہم اس

ساری بات کو پیش نظر رکھ کر کرتے ہیں۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر محنت کرو یاد رکھو کوئی رات ذکر سے خالی نہ جائے اور کوئی صبح ایسی نہ ہو جس کی ابتدا اللہ کی عبادت اور اللہ کے کلام سے نہ ہو پھر دنیا جہان کے کام کرو یہی سنت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ہر کام جو انسانوں کے کرنے کا ہے وہ کرو صرف ایک بات یاد رہے اُن کے کرنے کا طریقہ وہ ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اچھا کھاؤ اچھا پہنو یہ مادی دور ہے یہاں آپ کی غربت اسلام کو بھی رسوا کرے گی۔ زیادہ پیسہ کماؤ شان سے رہو کپڑا ستا بھی اگر ہو تو اُسے میلا نہ ہونے دو مسلمان کی عزت ہی اسلام کی عزت ہے جب آپ اپنی عزت خود نہیں کریں گے دوسرا کوئی نہیں کرے گا۔ جاہلیت کی رسوم کو تصوف میں داخل نہ ہونے دو یہ کوئی فقر نہیں ہے کہ انسان ننگا پھرتا ہو یا بات کرنے کا اُسے سلیقہ نہ آتا ہو یا بھوک سے مر رہا ہو تصوف یہ نہیں ہے۔ صحابہ کرام نے بھوک برداشت کی تب جب ان پر فراخی نہیں تھی۔ وہ دین کو چھوڑ کر دنیا کی طرف نہیں لپکے اور نا جائز ذرائع اختیار نہیں کیئے اس لئے پیٹ پر پتھر باندھے لیکن جب صحابہ کو خدا نے دولت دی تو دنیا میں ان جیسا امیر ترین انسان کوئی نہیں تھا۔ قیصر اور کسریٰ اور یمن کے خزانے حضرات کے اُن کے قدموں پر لٹا دیے تھے اور وہ کروڑ پتی ہو گئے تھے نہ انہیں بھوک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے ہٹا سکی اور نہ وہ دولت مندی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی سے باہر نکال سکی۔ جب امیر تھے تب بھی اتنے ہی مسلمان تھے جتنے غریب تھے تو مسلمان تھے اس لیے غربت ضروری نہیں ہے۔

ہمارا آج کے دور کا مقرر عموماً ہمیں سبق دیتا ہے غربت کا افلاس کا یہ اس کی سادگی ہے۔ یہ نہیں بتاتا کہ صحابہ کرام صرف غریب ہی نہیں رہے ساری زندگی۔ امیر بھی ہو گئے تھے تو ان کی امارت انہیں تہجد سے روک نہیں سکی فقر و فاقہ میں اگر روزے رکھتے تھے تو دولت مندی نے ان سے رمضان چھین نہیں لیا تھا۔ غربت میں اگر جہاد کرتے تھے تو امیر ہو کر جہاد سے رُک نہیں گئے تھے فقیر تھے تب بھی مسلمان تھے امیر تھے تب بھی مسلمان تھے۔ آپ دیکھیں جو ہمیں غریبی کا درس دیتا ہے وہ ہم سے خود پیسے کیوں لیتا ہے کوئی مقرر آپ نے دیکھا ہے جو خود پیسے نہ لے۔ ہمیں غریبی کا درس دیتا ہے خود کیوں پیسے لیتا ہے یہ جان لینا چاہیئے کہ اسلام کی عزت مسلمان کی عزت میں ہے کما ؤ دل سے زیادہ کماؤ اُن سے اچھی سوٹیں رکھو لیکن

حلال طریقے سے کماؤ اور جائز طریقے سے خرچ کرو۔ اگر حلال وسائل سے موٹر نہ لے تو حرام کی موٹر پر مت بیٹھو پیدل چلے جاؤ۔ جھوٹ کا سہارا لے کر اپنی عزت نہ بناؤ سچ کہو۔ عزت سچ سے ملے گی۔ کسی کو دھوکا دے کر پیسہ کمانے کی کوشش نہ کرو۔ کسی کو اتنی فرصت نہ دو کہ وہ تجھے دھوکا دیتا رہے۔ کسی کی عزت مت لوٹو لیکن اپنی عزت کی طرف کسی نگاہ کو مت اٹھنے دو۔ کسی کا مال مت چھینو لیکن اپنا لٹنے کے لئے مت چھوڑ دو۔ صاف ستھرے اور زندہ انسانوں کی طرح رہو۔ جس کا معاشرے میں کوئی مقام ہو۔ کوئی عزت ہو جس کی بات سنی جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قاصد بھیجا۔ ایرانی فرمانروا نے بڑا رعب بنا رکھا تھا۔ اپنے دربار کو خوب سجا رکھا تھا۔ جانے والا شخص (قاصد) غریب تھا اس کا لباس بھی ویسا نہیں تھا پھٹے ہوئے جوتے تھے جو مٹی سے آلودہ تھے لیکن ریشمی اور دبیز قالینوں کو وہ ان سے روندتا چلا گیا۔ لوگ وہاں سجدے کیا کرتے تھے تو وہ وہاں تن کر کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ مادی دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہے جب آدمی حق پر ہو عزت اسی کے لئے ہے۔ اس بدنصیب نے دعوت قبول نہ کی مگر قاصد کو مرعوب نہ کر سکا۔ دولت نہ کمانے کا سبق میں نہیں دیتا میں خود مزدوری کرتا ہوں تم بھی سب کرو زیادہ مزدوری کرو لوگ آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں تم بارہ گھنٹے کرو کیوں کہ تم نے تو درمیان میں ذکر بھی کرنا ہے نمازیں بھی پڑھنی ہیں۔ تو لوگوں کی نسبت زیادہ کرو کہ ان جتنا کما سکو عزت کے ساتھ شان کے ساتھ زندہ رہو تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ اللہ نہ کرنی چاہیے اللہ اللہ کرنے والے تو بیکار لوگ ہوتے ہیں۔

اس عظیم نعمت کا عملی زندگی سے شکر ادا کرتے رہو۔ اپنی راتوں کو بے آباد نہ ہونے دو مومن کی رات زندہ رہے تو اس کی قبر زندہ رہتی ہے جن کی راتیں سو جاتی ہیں وہ مر جاتے ہیں۔

اعلیٰ کردار

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے ہم سب پر ساری جماعت پر خصوصاً اور بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے قریب کر دیا اطاعت کا جذبہ دے دیا ہر شخص ہر ساتھی اپنی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے۔ یاد رکھو جب تک نظم و ضبط نہ ہو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ دو مسلمان بھی کسی طرف نکلیں تو ایک کو امیر بنا لیں۔ نظم کا سب سے زیادہ اہتمام کرو کسی جگہ اگر دو ساتھی رہتے ہوں تو وہاں ایک امیر ہونا چاہیئے کسی طرف دس ساتھی اگر چل کر نکلتے ہو تو ایک کو امیر بنا لو ایک موٹر میں پانچ

آدمی یہاں آئے ہو یہاں سے واپس جاؤ گے تو یہاں سے واپس پہنچنے تک ان میں ایک امیر ہونا چاہیئے اور باقی چاروں کو آزاد نہیں سمجھنا چاہیئے اگر ان میں سے کوئی پانی پینے کے لئے رُکے تو امیر سے پوچھ کر رُکے ہمیں صرف انبوہ نہیں جمع کرنا ہمیں بفضل اللہ انسان اور مسلمان بنانے ہیں ایک ایسا نمونہ کہ دیکھنے والا جان سکے مسلمان کیسے ہوا کرتے تھے۔ تنظیم اتنی ہی ضروری ہے جتنا کوئی دوسرا عمل کہ تنظیم کے بغیر عمل میں جان نہیں رہتی اور یہ بھی یاد رکھو کہ انتظامی امور میں اگر کسی کے ذمہ کوئی خدمت لگتی ہے وہ اپنے آپ کو شاہی پیادہ نہ سمجھ لے جس طرح دنیوی نظام میں کسی کو کوئی درجہ ملتا ہے تو وہ اپنے آپ کو دوسروں پر سوار کر لیتا ہے بلکہ جسے کوئی ذمہ داری ملے وہ دوسروں کی خدمت کرے۔ اور دوسروں کی نسبت زیادہ کام کرے اور زیادہ احساس کے ساتھ کرے۔

اگر یہ صرف احساس زندہ ہو جائے کہ خدا نے ہم پر کتنا احسان کیا ہے اس کا شکر کرنا ضروری ہے تو انشاء اللہ انشاء اللہ خدا ہمیں تنہا نہیں چھوڑے گا۔ بہت بڑی قوت ہے ہمارے ساتھ اللہ کی قوت۔ بہت بڑی برکت ہے ہمارے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت۔

خداوند کریم آپ سب کو حاضر و غائب تمام احباب کو استقامت علی الدین اور توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

تصحیح

پچھلے ماہ یعنی مئی کے شمارہ میں بعنوان "اسرار التنزیل" کے مضمون میں صفحہ ۱۲ پر ضمنی سرخی کالم نمبر ۲ کے شروع میں ہی غلط کتابت ہوگئی ہے۔ لہذا قارئین المرشد اس سرخی کو اس طرح پڑھیں **مانعین زکوٰۃ** جبکہ کتابت کی تصحیح کرتے وقت کاتب سے "ما لغین زکوٰۃ" لکھا گیا۔ کاتب اور ادارہ اس غلطی کی معذرت چاہتا ہے۔

(ادارہ)

چراغِ مصطفویؐ

پروفیسر حافظ عبدالرزاق
ایم اے

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مِن حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ بے کار باتوں کا مشغلہ چھوڑ دے

شرح: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا آپکو یہ رتبہ عالی کیسے ملا۔ آپ نے فرمایا تین باتوں سے۔

(۱) راست گوئی (۲) ادائے امانت (۳) بے کار باتوں سے کنارہ کشی کی عادت (مؤطا)

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں بیکار باتوں سے مراد مباحات کا غیر ضروری سلسلہ ہے۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ مستحبات اور محرمات کے درمیان شریعت نے ایک درجہ مباحات کا بھی رکھا ہے اسے اللہ تعالےٰ کے محرمات کی سرحد کہنا چاہیئے یہاں پہنچکر محرمات کی ظاہری دلفریبی کا نظارہ ہونے لگتا ہے اس لئے آپ مباحات کو اپنی نظر میں ہلکا نہ سمجھیں عمل کے مسافر کے لئے یہ منزل بہت نازک منزل ہے جو یہاں جا پہنچا اس کے لئے ہر وقت خطرہ ہے کہ اس کا دوسرا قدم اب محرمات میں ہی جائے گا۔ ان کی مشروعیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ مباحات کو اللہ کی طاعات وعبادات کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بنائیں۔ اس کے احکام کی بجا آوری میں ان سے کام لیں اب یہ مباحات بھی آپ کے لئے مستحبات کا حکم اختیار کر لیں گے۔ لیکن اگر خدانہ کردہ آپ نے ان کو اللہ کی معصیت کا ذریعہ بنا لیا تو یہ اب مباح نہیں رہے ممنوعات ومحرمات کی فہرست میں شمار ہوں گے۔ اگر آپ نے یہ نکتہ سمجھ لیا تو ان تمام احادیث کی مرادیں آپ پہ روشن ہو جائیں گی جن میں مباحات پر بھی ثواب وعتاب کا ذکر آجاتا ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں۔

"مالا یعنیہ" میں عنایت لغت میں کسی چیز کے خاص

طور پر اہتمام کرنے کا نام ہے اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی شان یہ ہونا چاہیئے کہ جو قول و فعل بھی اسلام کی نظر میں قابل اعتنا اور لائق اہتمام نہ ہو اس سے یک لخت کنارہ کش ہو جائے پس جب تک ایک مسلمان محرمات و مشتبہات تو در کنار بے ضرورت مباحات میں بھی قدم رکھنا ترک نہیں کرتا اسلام کی صفت احسان سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا لیکن اگر کسی خوش نصیب کو یہ مقام نصیب ہو جائے اللہ تعالے کا تصور اس پر اس درجہ غالب آ جائے کہ ہر حال میں اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ذات پاک گویا حاضر و ناظر ہو تو پھر بیکار باتوں کی طرف اس کا قدم خود بخود نہیں اٹھ سکتا۔ اور اگر غفلت و نسیان کی بنا پر کبھی اس سے کوئی لغزش واقع بھی ہو گی تو اس کو ایسی ہی ندامت و شرمساری لاحق ہو گی جیسی کہ حقیقتاً اللہ کے حضور میں یہ غلطی کر کے ہوتی۔ اسی کو حدیث میں اللہ سے حیا کرنا کہا گیا ہے۔

حافظ ابن رجب فرماتے ہیں لفظی وسعت کے لحاظ سے تو "لایعنی" کا لفظ قول و فعل سب کو شامل ہے لیکن محاورۃً استعمال کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کا زیادہ تر اطلاق لغو باتوں پر ہوتا ہے۔ پس

(۱) آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار باتیں نہ کرے (مسند امام احمد)

(۲) جو آدمی اپنے عمل اور باتوں کا موازنہ کرتا رہے وہ خود بخود صرف ضرورت کی بات کرنے کا عادی بن جائے گا (ابن حبان)

(۳) اسی حقیقت کے مخفی رہنے کی وجہ سے حضرت معاذؓ نے یہ سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ صلعم جو باتیں ہم کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے گرفت کی جائے گی حضور اکرم ؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ زیادہ تر لوگ اسی جا و بیجا زبان چلانے کی بدولت ہی دوزخ میں منہ کے بل گرائے جائیں گے۔

(۴) حضرت ام حبیبہؓ حضور اکرم ؐ سے روایت کرتی ہیں کہ ابن آدم کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ اس کے نقصان ہی نقصان کی ہوتی ہے، نفع کی نہیں ہوتی بجز ان صورتوں کے بھلی بات کا حکم دینا بری بات سے روکنا اور اللہ کی یاد کرنا (ترمذی)

(۵) ایک صحابی کا انتقال ہو گیا تو کسی نے کہا تجھے جنت کی بشارت ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا خبر شاید کبھی اس نے کوئی بیکار بات منہ سے نکالی ہو یا اپنی حاجت سے زیادہ چیز پر بخل کیا ہو (ترمذی)

قسط دوم

عالمِ برزخ کے احوال و مقامات

قادری

حضرت قاری محمد طیب صاحب رح دیوبند

احوالِ قبور کے اس ذریعے کے متعلق حضرت قاری صاحب رح نے جو لکھا ہے اس کے ساتھ موجودہ دور کے لوگوں کے انکشافات کا بھی اضافہ کیا جا رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس دور میں بھی اس کمال کے لوگ موجود ہیں۔ کافی احباب کو خط لکھے لیکن سب نے تفصیلات نہیں لکھی ہیں پھر بھی بطورِ نمونہ چند ایک واقعات کا اضافہ شامل ہے۔

نوٹ: سابقہ قسط کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا پہلے وہ ملاحظہ فرمایئے اس کے بعد دوسری قسط ملاحظہ ہو۔ قادری

ایک عظیم عالم

ان احادیث سے واضح ہے کہ قبر یا برزخ ایک عظیم عالم ہے اور اس میں بے شمار برزخی مقامات ہیں جو دنیوی اعمال سے بنتے ہیں بسلسلۂ مقامات جیسے ہمہ جہتی ظلمت، ہمہ نوع بے کسی، وحشت وغربت، قبر کا مستطیل اور گرم ہو جانا، خود میت کے نفس کا گرم اور آتشیں ہو جانا گھٹنوں کے بل گرا رہنا ہے۔ پیاس کے عذاب اور پانی سے محرومی کی بلا میں گرفتار ہو جانا۔ سانپ بچھو کا قبر میں نمودار ہو جانا گرم تیل اور پانی سے قبر کا لبریز ہو جانا وغیرہ مختلف اسباب کی بنا پر نمایاں ہوتا ہے جبکہ اس کے بالمقابل قبر میں باغ و بہار اور تخت و تاج کا نمایاں ہونا خوشبو اور وسعت میدان اور ہمہ جہتی نورانیت سے سرشار ہونا اور مگن ہونا، سونے اور یاقوت کے قبوں اور محلات میں رہنا قنادیل عرش میں بسیرا کرنا ملائکہ کی بشارتیں ہر وقت سنتے رہنا وغیرہ وغیرہ نعمتوں کے مقامات ہیں مگر وہ بنتے عمل ہی سے ہیں اور ان کے ذرائع و اسباب بھی مختلف اعمال ہیں پھر بعض اعمال ان اعمالوں کو بدل کر مبدل

پر نعمت کر دیتے ہیں۔ یا کم سے کم عذاب سے بچا لیتے ہیں۔ جس سے برزخ کے تفصیلی مقامات کا اندازہ لگا لینا مشکل نہیں کیونکہ ان مقامات کے معمار ہم خود اور ہمارے اعمال ہیں۔ جو ہر وقت سامنے ہیں۔ اب اگر اپنے جامع عمل سے آدمی برزخ میں سلیم الاعضاء بھی ہو۔ (یا مژدہ نہ ہو) ہر طرف جا سکتا ہو، سیر و تفریح میں آزاد ہو، تفریح بخش سامانوں کی انتہا نہ ہو قلباً مطمئن ہو غم نہ رکھتا ہو نہ خوف، ٹھکانا ٹھنڈا ہو۔ جو قلب میں ہر وقت ٹھنڈک اور سکون بڑھاتا رہے بشاشتیں ہر چہار طرف سے دوڑ دوڑ کر آ رہی ہوں دل بھیچا ہوا پژمردہ اور غمزدہ نہ ہو، بلکہ امنگوں سے بھر پور، آرزوؤں سے لبریز اور تکمیل آرزو سے ہمہ وقت ہمکنار ہو، ٹھکانے سونے اور جواہرات کے ہوں۔ معطر اور معتبر ہوں قرب سلطانی میسر ہو مقربان بارگاہِ الٰہی سے ہمہ وقت خلط و اختلاط ہو۔ قوتِ قلب اور رتنا کی انتہا ہو تو یہ جامع مقام جامع عمل ہی سے تیار ہو سکتا ہے تو اسے برزخ کا تفصیلی مقام کہیں گے لیکن اگر کسی مقام میں ان میں سے کچھ باتیں پائی جائیں تو وہ درجہ بدرجہ متفاوت مقامات ہوں گے جن کا معیار بھی دنیا کی عملی زندگی اور عملی تفاوت ہوگی جس سے یہ مقامات دنیا میں ہی پہچانے جا سکیں گے بہر حال استدلال شرعی کے دائرہ میں یہ برزخ کے مقامات کا تفصیلی اور اجمالی جائزہ اپنی عملی زندگی سے لیا جا سکتا ہے جس سے استدلالی طور پر اپنے بلکہ دوسروں کے بھی برزخی مقام کا نقشہ سامنے آ جائے گا اور اس کا ذریعہ دنیا کے اعمال بھی ہوں گے جو ہر شخص کے سامنے ہوتے ہیں۔

احوال قبور

دوسرا ذریعہ کشف و انکشاف ہے کہ اس سے بھی برزخ کے مقامات کھل سکتے ہیں۔ وہاں کا باغ و بہار یا عذاب نار بذریعہ کشف بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ اکتسابی ہونے کی حد تک اختیاری ہے جس کا راستہ مراقبہ ہے[1] مگر نصیب و قسمت کے لحاظ سے محدود ہے جو صرف نصیب عرفاء ہے۔ یہ کشف ایک مستقل طریق ہے جو حضرات صوفیا میں کشف القبور کے نام سے معروف ہے اور بعض حضرات حسب مناسبت طبع اس میں زیادہ سے زیادہ مہارت پیدا کر لیتے ہیں

---

[1] حضرت قاری صاحب خود وصال سے کچھ عرصہ قبل پاکستان تشریف لائے تو بالاکوٹ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مزار پر حاضر ہوئے مراقبہ کیا اور حضرت شہیدؒ سے کچھ ارشادات فرمائے جن کی تفصیل نہیں مل سکی۔ ایبٹ آباد کے کئی علماء بھی ساتھ تھے۔

حتی کہ میت کو مدوح سے قریب تر ہو کے اس کے احوال کا سارا سراغ لگا لیتے ہیں حضرت شاہ منظور احمد صاحب خلیفہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت نانوتویؒ کے مزار پہ حاضر ہوئے اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ مراقب رہے - احقر راقم الحروف بھی ساتھ تھا - واپسی پر فرمایا کہ میں نے حضرت نانوتویؒ کو اس مقبرہ کے مدفونین کے ساتھ اس طرح دیکھا جیسے مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں میں لئے ہوئے بیٹھی رہتی ہے اشارہ اس طرف ہے کہ بہت سوں کا بچاؤ ایک کے ذریعے ہوتا ہے اور کسی ایک مقبول کی تکریم میں اس کے پاس والے بہت سی آفات برزخ سے بچا لئے جاتے ہیں -

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا جب انتقال ہوا اور مہندیوں کے مشہور قبرستان میں آباؤ اجداد کے پاس دفن ہوئے تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنا مکاشفہ بیان فرمایا کہ آج کے دن بھائی عبدالقادرؒ کی تکریم میں دلی کے تمام قبرستانوں سے عذاب اٹھا لیا گیا تھا - یہ واقعہ میں نے حضرت امیر شاہ خاں صاحبؒ سے سنا - حضرت تھانویؒ وفات سے تقریباً دو سال قبل دانت درست کرانے کے لئے لاہور تشریف لے گئے تو واپسی سے ایک دن قبل لاہور کے قبرستانوں کی زیارت کے لئے بھی نکلے سلاطین کی قبروں پہ بھی گئے اور مساکین کی قبروں پر بھی فاتحہ پڑھی - ایصال ثواب کیا اسی سلسلے میں حضرت علی ہجویریؒ کے مزار پہ پہنچکر دیر تک مراقب رہے وصل صاحب مرحوم بلگرامی ساتھ تھے اور انہوں ہی نے یہ واقعہ تھانہ بھون میں مجھ سے فرمایا تھا کہ داتا گنج بخشؒ کے مزار سے لوٹتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ یہ تو کوئی بہت بڑے آدمی معلوم ہوتے ہیں میں نے ہزارہا ملائکہ کو ان کے سامنے صف بستہ دیکھا اور یہ بھی فرمایا کہ سلاطین کے مزاروں پہ پہنچا تو انہیں مساکین کی صورت میں دیکھا جیسے ان کا کوئی پرسان حال نہ ہو اور مساکین کو سلاطین کی صورت میں دیکھا وغیرہ - اسلاف کرام کے زمانے کے ہزاروں واقعات اس قسم کے کتابوں میں موجود ہیں -

حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اپنے ملفوظات موسومہ بہ "الابریز" میں کتنے ہی ایسے مکاشفات ظاہر فرمائے ہیں جن سے برزخ کے حالات بمقامات عیاں ہوتے ہیں بہرحال کشف و انکشافات ایک مستقل ذریعہ کشف قبور ہے جو سلف سے خلف تک پایا جاتا رہا ہے -

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحبؒ نے باطل فرقوں کی تکذیب اور تردید کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہی شروع کیا تھا فرماتے ہیں ایک سفر مراقبے میں بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں حضوری نصیب ہوئی تو آقائے نامدار ﷺ کو ناصحانہ انداز میں خطاب فرماتے سُنا

"اسلام کی یہ عمارت آسمان سے بنی بنائی نہیں اُتری بلکہ اس کی تعمیر میں اینٹوں کی بجائے میرے صحابہؓ کی ہڈیاں سیمنٹ اور گارے کی جگہ ان کا گوشت اور ان کے خون کو میرے اللہ نے پانی کی طرح استعمال فرما کر اس کی تعمیر فرمائی ہے اب کچھ لوگ اس کی حفاظت کی قدرت رکھتے ہوئے بھی اپنے نقصان[لہ] کے خیال سے یہ دینی فریضہ سرانجام نہیں دے رہے حالانکہ صفائی کرنے والے کے کپڑے تو میلے ہوتے ہی ہیں لیکن صفائی بھی تو جبھی ہوتی ہے پھر میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے وقت کے لئے اس کا جواب بھی سوچ رکھنا چاہیے"۔

۱۹۷۶ء میں حب حج کے بعد روضۂ اطہر پہ حاضری نصیب ہوئی تو ہادئ برحق ﷺ نے حضرتؒ کو فرمایا تمہاری تبلیغ اور دین کے لئے مدافعت کی رپورٹ مجھے پہنچتی رہتی ہے کیونکہ تمام مومنین کے اعمال ہر سوموار اور جمعرات کو بارگاہ رحمۃ للعالمین ﷺ میں پیش کیے جاتے ہیں تمہاری رپورٹ سے میں خوش ہوں۔ اصلاحِ خلق کے لئے تمہارا موجودہ طریقہ مجھے بڑا پسند ہے۔ جنت البقیع میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو باغ فدک کا مسئلہ دریافت کرتے ہوئے عرض کیا "امی جان کیا آپ صدیق اکبرؓ کے پاس باغِ فدک مانگنے گئی تھیں اور پھر نہ ملنے کی وجہ سے ناراض ہوئی تھیں"

جواب میں حضرت زہراؓ نے فرمایا ہاں میں نے جا کر طلب تو کیا لیکن خلیفۂ راشد نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی کہ ہم انبیاء کی جماعت نہ تو دنیا کی کسی مال کے وارث ہیں اور نہ ہمارے کسی مال کا کوئی وارث"

پس میں سمجھ گئی پھر بھلا میں ناراض ہو بھی کیسے سکتی تھی وہ تو میرے والد مکرم کے رفیق زندگی اور سفر و حضر کے ساتھی یار غار جنہوں نے اپنا مال و اولاد ملک و وطن سب کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر قربان کیا تھا۔

لہ: تحریر میں متکلم کے قلب کے اثرات ہوتے ہیں اس لئے باطل فرقوں کی کتب کے مطالعہ سے قلوب مکدر ہو جاتے ہیں۔

پھر وہ امیر المومنین اور خلیفۂ رسولؐ بھی بولیں
میرے بیٹے! آپ تو عالم کتاب و سنت ہیں
بھلا یہ کیسے تمہیں گمان ہوا کہ میں رسول محترم
صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سے ناراض ہو گئی
عرض کیا" امی جان مجھے تو یقین ہے لیکن اتمام
حجت کی خاطر پوچھا ہے کیونکہ شیعہ راوی
کہتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ تو باغ فدک
کے مطالبے کے بعد وفات تک ابوبکرؓ
سے ناراض رہیں اور کلام تک نہیں کیا جواب
میں حضرت بتولؓ نے فرمایا یہ راوی کا ہم پر بہتان
ہے - ہم اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
دنیا کو ملعون اور نجس سمجھتے ہیں بھلا ایسی نجس
دنیا کی خاطر میں رفیق رسول اللہؐ سے ناراض
ہو جاتی - پھر فرمایا - میرے بیٹے میرے والد
محترمؐ نے مجھے تمہارے یہاں آنے کا بتایا تھا کہ
پاکستان سے ایک صالح شخص معہ جماعت کے
آیا ہوا ہے وہ ہمارا مہمان ہے (حضرتؒ کے
مشاہدات کی تفصیل ان کی کتاب اسرار الحرمین
میں ملاحظہ کریں)

۱۸ فروری ۱۹۸۴ء کو آپ کا انتقال ہوا -
جنازے میں شرکت کرنے والوں کے بارے
میں حافظ غلام جیلانی صاحب کا مشاہدہ تھا
کہ ربِ کون و مکان نے اس جلیل القدر ہستی
کی برکت سے سب کی مغفرت فرما دی - راقم کو بروقت
اطلاع نہ ملی تاخیر سے سفر شروع ہوا باوجود کوشش
کے پھر بھی جنازے کی شرکت سے ہم محروم رہے
احباب کی معیت میں مرشد آباد حاضر ہوئے
تو عرض کیا

نیت اور پوری کوشش کے باوجود جنازے
میں شرکت تو نصیب نہ ہوئی کیا اس مغفرت
والے فیصلے میں حصہ نصیب ہونے کی توقع ہے
تو جواباً حضرتؒ نے فرمایا - بدری اور احدی
برابر نہیں ہو سکتے -

وصال کے بعد بھی احباب کو نصیحت فرمائی
حافظ غلام جیلانی صاحب کو فرمایا تمام گھر والوں
کو نماز اور ذکر کی پابندی کروائیں - برزخ میں
حضرتؒ کے بارے میں حکیم محمد صادق صاحب
(جھنگ) نے فرمایا کہ ایک تخت پر سرخ قالین
بچھا ہے جس پر آپؒ تشریف فرما ہیں گول تکیے
سے ٹیک لگائے بیٹھے کتاب کا مطالعہ فرما
رہے ہیں ایک ہاتھ میں تسبیح ہے -

حافظ غلام جیلانی صاحب کا مزید مشاہدہ
یہ ہے کہ جب بھی کوئی ساتھی حضرتؒ کی خدمت
میں حاضر ہوتا ہے تو کسی سے مصافحہ کرتے
ہیں کسی کو گلے لگاتے ہیں اور کسی کی پیشانی
پہ بوسہ دیتے ہیں -

نیز اسی تخت کے سامنے غوث اور اس سے اعلیٰ مناصب کے لوگ بیٹھے ہیں کئی احباب کا ان بزرگ ہستیوں سے تعارف بھی کروایا جاتا ہے۔

حکیم محمد صادق صاحب ڈلوال حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کہتے ہیں مجھے خیال آیا حضرت کا روحانی مقام نہ جانے کیا ہے اتنے میں حضرت نے فرمایا حکیم صاحب کیا کبھی داتا صاحب کے مزار پر حاضری دی ہے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اب میرے 'قلب' پہ خیال کریں جونہی خیال کیا ایک تیز بجلی سی کوندی اور ایک سمت کو چلی فرمایا ساتھ چلو۔ دیکھا تو داتا صاحب تعظیماً کھڑے ہیں حافظ غلام جیلانی صاحب کا فرمان ہے قبلہ والد المکرمؒ بیمار تھے سحری کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کی تو آپؐ کا ایک قدم مبارک منبر پہ اور دوسرا اس کمرے میں جہاں والد محترم چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے سرہانے بچھے ہوئے پلنگ پر آپ تشریف فرما ہوئے تو میں آقاؐ کے قدموں میں بیٹھ گیا فرمایا تم حافظ قرآن ہو میرے پاس بیٹھو۔ کچھ پڑھ کر دم کیا اور فرمایا سورۃ فاتحہ اور آیۃ الکرسی پڑھ کر خود دم کر دیا کرو۔ صبح جا کر والد صاحب سے حالت پوچھی تو کہنے لگے سحری کے بعد سے آرام ہے۔ نیز کہتے ہیں ایک قریبی عزیزہ کے خاوند نے دوسری شادی کا ارادہ کیا جس کی وجہ سے وہ پریشان ہوئیں لہذا ہمیں بھی پریشانی ہوئی۔

ایک روز بارگاہ رسالتؐ میں ان کے لئے دعا کی درخواست کی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو لوح محفوظ۔ دیکھا موٹا سا لکھا ہوا ہے "لوحِ محفوظ" بہت بڑا دروازہ اندر بڑی بڑی الماریاں کچھ لٹکے ہوئے کاغذات، دو چارٹ سامنے تھے اولاد والا خانہ خالی ابتدا میں خوشی اور آخر میں غم تو لکھا ہوا تھا۔ فرمایا میں دعا کر دیتا ہوں غم تو لکھا ہوا ہے آپؐ کی دعا سے غم والی جگہ خالی ہوگئی، شادی تو ہو گئی لیکن اب بھی ہم دیکھتے ہیں انہیں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوئی۔

والدہ مکرمہ کی رحلت کے بعد فرماتے ہیں ہمیں نہایت اعلیٰ حالت میں دیکھا پوچھنے پر فرمانے لگیں دو جوڑے لباس ایک سفید دوسرا سبز عطا ہوا ہے، سبز لباس مخصوص ہے مسجد نبوی میں حاضری کے لئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ

حضرت فاطمۃ الزہرا جیسی ہستیوں کی زیارت اور صحبت نصیب ہوتی ہے۔

وہ انعامات جن کا تصور بھی کبھی نہیں کیا تھا عطا ہوئے ہیں پھر پوچھا اولاد میں سے کس کی وجہ سے زیادہ فائدہ پہنچا ہے فرمانے لگیں حافظ غلام قادری سے۔ پھر آپ سے پوچھا یہ جو کلمہ طیبہ کا ورد اور قرآن کریم کے کئی ختم کیے فرمایا ان سے بھی۔ حافظ غلام قادری سے پوچھا آپ نے وہ کیا عمل کیا ہے جس کا امی جان کو اس قدر فائدہ ہوا۔ تو کہنے لگے دوران ذکر ان پر بھی توجہ کرتا ہوں اور انہیں ساتھ مراقبات میں شامل رکھتا ہوں۔

قبلہ حافظ صاحب کا کہنا ہے قریبا پچاس میل ارد گرد اس اعلیٰ پائے کی کسی اور شخصیت کا مدفن نہیں ہے۔

حضرت حافظ غلام جیلانی صاحب حج کے بعد جب روضۂ اطہر پہ حاضر ہوئے تو اُمت کے اعمال بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوتے دیکھے۔ پرانی بوسیدہ کلیاں کچھ پھول ذرا باسی اور پھر بالکل تر و تازہ گلدستے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میری اُمت کے اعمال ہیں جس توجہ، محبت اور حضورِ قلب سے کیے جاتے ہیں اسی طرح پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر عمل خلوص اور محبت سے ہی کرنا چاہیئے۔

حضرت استاذی المکرمؒ کے بلند منازل اور اعلیٰ منصب کی وجہ سے آج اس طرح کے سینکڑوں مشاہدات احباب دیکھتے اور سنتے ہیں۔

لیکن زمانے کا بُعد ان انوارات میں جب کمی اور دوری پیدا کر دیگا پھر ایسی کوئی بات سننا ہی حیرانی کا باعث ہوگا اللہ تعالیٰ ہمیں ان انعامات کا قدر و قیمت اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائے آمین

بقیہ: چراغ مصطفوی ﷺ

۶۔ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی قوم کا سردار ہوں جو کہتا ہوں میری بات مانتے ہیں ان سے کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا ہر کس و ناکس کو سلام کیا کرو اور غیر ضروری باتیں کرنا چھوڑ دو (ابن ابی الدنیا)

۷۔ حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ کسی آدمی سے اللہ تعالیٰ کے اعراض کرنے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اسے بیکار باتوں کے مشغلے میں الجھا دے (جاری ہے علم دین)

حاشیہ ۱: والدہ مکرمہ کو حضرت استاذی المکرمؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی بیعت کروائی تھی اور تین انعامات چادر۔ تسبیح اور قرآن کریم عطا ہوئے تھے۔

ایمان کی حقیقت

مرتبہ
پروفیسر حافظ عبدالرزاق
ایم اے

شریعت میں ایمان و اسلام، صفت:

انقیاد و اطاعت کی اس آخری منزل کا نام ہے جس کے بعد شریعت کے احکام قبول کرنے سے قلب میں کوئی انحراف باقی نہ رہے۔ مخبر صادق ﷺ یعنی اللہ کے رسول ﷺ پر وہ اعتماد حاصل ہو جائے کہ پھر دل کی تمام خوشحالی اور روح کا کامل سرور اس کی تصدیق میں منحصر نظر آنے لگے۔ گویا جذبۂ وفاداری طلبِ دلائل کی مہلت نہ لینے دے۔ راہِ حق میں ہر نئی قربانی ایک نئی لذت ہو اور ایک ادنیٰ نافرمانی وہ تلخ گھونٹ ہو جائے جو حلق سے آسانی سے نہ اترے۔

هدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب

اس آیت میں ان ہی سرفروشوں کی اس سرمستی کا ذکر کیا گیا ہے جو محض جذبۂ انقیاد و اطاعت میں دیکھی اور ان دیکھی باتوں کی یکساں تصدیق کرتے ہیں۔ آنکھ اگر دیکھتی ہے اور تصدیق کرتی ہے کان اگر سنتے ہیں اور مان لیتے ہیں تو یہ ایمان کا فطری تقاضا ہے۔ لیکن آنکھیں اگر نہیں دیکھتیں اور کان اگر نہیں سنتے۔ پھر ان آنکھوں اور کانوں کے اعتماد پر جن کی صداقت پر سارا جہان قربان ہے اعتماد کر لیتے ہیں تو بلاشبہ یہ ان کے انقیاد اور ایثار کی آخری دلیل ہو گی۔ یہی وثوق و اعتماد ایمان کی روح ہے

دیکھنا مقصود دیں ہوتا تو ہوتا بت پرست
کچھ نہ دیکھا اس کی برکت سے مسلماں ہو گیا

دلائل کی حقیقت

دلائل کی روشنی بھی کوئی روشنی ہے جو ایک قدم پر اگر چمکتی ہے تو دوسرے قدم پر گل ہو جاتی ہے۔ چونکہ نبی صاحبِ وحی ہے اور وہ جو کہتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتا ہے تو اس کے اعتماد پر اس کے تمام دین کو تسلیم کر لینا اقتضائے طبعی ہونا چاہیے۔ کسی حقیقت کے تسلیم شدہ ہو جانے کے بعد بھی دلائل کی تلاش روشن خیالی نہیں بلکہ ایک مختصر راہ کو طویل کر دینا ہے۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لانے کے بعد دعوت مناظرہ نہیں دیتے بلکہ عمل

کی دعوت دیتے ہیں - اگر مدار صرف دلائل پر ہو تو دلائل کبھی کبھی ہر دو طرف پیدا ہو جاتے ہیں - ماسوا اس کے کبھی مطالب کی نزاکت دلائل کی رسائی سے بالاتر ہوتی ہے پھر مذاق کا تفاوت سمجھ اور فہم کا اختلاف اس پر وہم انسانی کی مزاحمت یہ سب وہ موانع ہیں جو تصدیق کے لئے نہ سہی کم از کم عمل کے لئے تو یقیناً سدِ راہ بن جاتے ہیں اس لئے قرآن کریم نے صرف انقیاد و اطاعت ہی کی راہ بتلائی ہے ارشاد ہے -

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا - یعنی رسول جو کچھ تمہارے پاس لے کر آئے ہیں اس کو اختیار کر لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ -

دلائل کا وسیع دائرہ بھی کچھ دور جا کر آخر اسی صفت انقیاد پر ختم ہو جاتا ہے ایک تجربہ کار محقق کا قول خود ایسی محکم دلیل ہوتی ہے جو تنہا ہزار دلائل کا وزن اپنے اندر رکھتی ہے آج بھی ہم اپنے دلائل و براہین کا سلسلہ آخر یورپ کے فلاسفروں کی تھیوریوں پر جا کر ختم کر دیتے ہیں اور صرف ان کے ناموں کا حوالہ دے دینا دلائل کی وہ معراج تصور کرتے ہیں جس کے بعد تمام دلائل سے بے نیازی ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ وہ تھیوریاں بے دلیل تسلیم کر لینے کے قابل ہیں بلکہ اس کی تہ میں یہ علم یقین پہلے حاصل ہوتا ہے کہ یہ تھیوریاں ان فلاسفروں کے نزدیک چونکہ اپنے دلائل سے ثابت شدہ ہیں لہذا ان دلائل کا تلاش کرنا اور پھر ان کا دہرانا محض ایک سفر کو طویل کرنا ہو جاتا ہے -

انبیاء کے علوم کا مرتبہ

ٹھیک اسی پر علوم انبیاء کو قیاس کر لینا چاہیئے اگرچہ -

"چہ نسبت خاک را با عالم پاک" ان کے علوم بھی اپنی جگہ ایسے دلائل سے ثابت شدہ ہوتے ہیں جہاں باطل کو کہیں سے راہ نہیں ملتی بلکہ وہ علم یقین سے اس مقام پر جا پہنچتے ہیں جس کے بعد ان کا لقب برہان مجسم ہو جاتا ہے -

یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا -

عقل کا کمال

انبیاء علیہم السلام کے علوم ان کے اعتماد پر تسلیم کر لینا کورانہ تقلید نہیں بلکہ مجسم ایک برہان کی تقلید ہے سچ تو یہ ہے کہ ایمان کی تمام قیمت بندہ کی صرف یہ ادا ہے کہ وہ رسول خدا کے سامنے اپنی تمام لن ترانیاں ختم کر دیتا ہے درحقیقت یہ اس کی زبردست قربانی ہے جسے وہ اپنے ضعیف و ناتواں ہاتھوں سے اپنے رب کی

بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ انسان کی یہ صبر فطرت اپنی جیسی مخلوق کو ایسے مقام پر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی جہاں بے دلیل سرنگوں ہو جانا تمام انسانوں کے لئے سب سے بڑا فریضہ ہو جائے۔

آدمؑ کے سامنے سجدہ کا حکم دینے کا فلسفہ

دنیا کا سب سے پہلا بدبخت یعنی ابلیس کبھی اپنے خالق کی عبادت سے منکر نہیں ہوا لیکن مشیت ایزدی نے جب اس کے دعوائے انقیاد کا امتحان لیا تو اپنی عبادت کا امر فرما کر نہیں لیا بلکہ ایک مشتِ خاک کے سامنے سر جھکانے کا امر فرمایا۔ ظاہر ہے کہ سر جھکا دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی مگر ہاں دشواری یہ تھی کہ ضعیف ہستی کے سامنے سر جھکانا جو مخلوق ہونے میں اس کی برابر کی شریک ہو اس کے لئے بظاہر ایک بے دلیل بات تھی اس سے رہا نہ گیا اور کہہ اٹھا انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔" یعنی میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے"

شیطان کے معاوضہ کی حقیقت

دلائل کی پیروی کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ہوا اس کا پوشیدہ کبر اور طبعی انحراف ابھر آیا آخر وہ تسلیم و رضا کی اس منزل میں چل کر ناکام رہ گیا جہاں خیر و شر کا سوال ہی باقی نہیں رہتا اور چون و چرا کا میدان تنگ ہو جاتا ہے۔

طبعی انحراف و علو کا خاصہ

طبیعت کے انحراف کا یہ خاصہ ہے کہ وہ تلاش حق کی تمام توفیق سلب کر لیتا ہے اور وہ نشہ پیدا کر دیتا ہے جس کے بعد اپنی ہوائے نفس کے سامنے دلائل و براہین کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ اطراف و جوانب سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور اس بے شعوری کے عالم میں جو فیصلہ اپنے خیال میں آجاتا ہے وہی آخری فیصلہ نظر آنے لگتا ہے۔

فضیلت کے لئے صرف مادہ کا شرف کافی نہیں

ابلیس نے صرف عنصر آتش کے شرف پر نظر ڈالی یہ اس کا قصور نظر تھا عنصر خاک کو ضعیف سہی مگر کیا ہو نہیں سکتا تھا کہ اس میں بھی کوئی جہت ایسی پیدا ہو جائے جو اسے قوی اور برتر عنصر سے بھی افضل بنا دے اگر ابلیس انسان کی صورت کی طرف بھی نظر کر لیتا تو اپنے مادہ کا شرف اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا عنصر آتش ہزار اشرف سہی مگر یہاں صورت ایک حسن کن نے عطا کی تھی عنصرِ خاک پر جو نقش و نگار نظر آئے وہ نقاش ازل کے خود اپنے دست قدرت کا بلا واسطہ کمال تھا۔ ربا قی صفحہ پر

جنت کے باسی

ایم اے قریشی

لشکرِ کفار بلحاظ افراد بھی بہت طاقتور ہے اور بلحاظ اسباب بھی۔ اسلحہ اور خوراک وغیرہ بھی کافی ہے اس کے ساتھ اسے دریا بھی اپنی پناہ میں لئے ہوتے ہے اور موسم ایسا ہے کہ دریا زوروں پر ہے پانی کی لہریں کف اڑاتی ہوئی کناروں کو بھی نگل لینا چاہتی ہیں اور اٹھ اٹھ کر حملہ آور ہوتی ہیں۔ نہ پل ہے نہ کشتی۔ دوسرے کنارے پر لشکر اسلام نمودار ہوا۔ نورانی چہرے مومنوں کے لئے نری رحمت مگر کفر کے لئے غضب الٰہی کا مظہر ہیں۔ اگرچہ تعداد میں کئی گنا کم ہیں مگر ان کی بہادری کے چرچے ہی کفار کا سینہ چھلنی کئے دیتے ہیں اس کے باوجود کفار کو قدرے تسلی ہے کہ اول تو دریا میں نہیں اتریں گے اور اگر یہ غلطی کر بیٹھے تو پھر کچھ کو پانی کی موج بہالے جائے گی اور کچھ ہمارے تیروں کا نشانہ بن جائیں گے۔

یہاں بات ہی اور ہے لشکر کفار دریا صف بستہ کھڑا ہے سامنے سالار لشکر نمودار ہوتے ہیں یہ قلب لشکر کو چیرتے ہوتے سامنے آئے اور دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا دیئے "یا علیم یا حلیم یا علیؑ یا عظیم میں تیرا ایک عاجز بندہ ہوں تیرے حکم سے تیرے نافرمان بندوں سے مقابلہ کرنے نکلا ہوں سو مجھے ان تک پہنچا دے"

اور ساتھ ہی لشکر کو دریا میں ڈال دیا سب سے آگے امیر لشکر خود ہیں۔ اللہ کی شان ہے کہ ان کے لئے دریا پایاب تھا۔ حضرت سہم ابن منجابؒ فرماتے ہیں کہ کوئی لشکری ایسا نہ تھا جس کا لبادہ بھی تر ہوا ہو۔

یہ تھے حضرت علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ کیا لوگ تھے کہ دعا کا انداز ہی نرالا ہے نہ طویل دعا ہے اور نہ اس میں کوئی لمبی سوچ ہے سیدھی سی بات ہے کہ پہلے عظمتِ باری کا

بیان ہے جو صفاتی نام سے شروع ہوتا ہے۔ وہ نام بھی "یا علیمؑ" ہے یعنی اے ہر حال سے واقف اور اے حلیم کہ تیرا حلم ہی کفار کو مہلت دے رہا ہے۔ مگر تیری شان کی بلندی اور تیری عظمت تجھے ہی سزاوار ہے میں تو عاجز بندہ ہوں ہاں تیرے حکم پہ
تیرے ہی بندوں سے مقابلہ کرنے نکلا ہوں کہ وہ نافرمان ہیں اور تیری زمین پہ ظلم کرتے ہیں کہ اس سے باز رہیں اب میں دریا سے الجھنا نہیں چاہتا۔ یعنی اپنی قوت دریا کی تسخیر میں صرف نہیں کرنا چاہتا تو مجھے کفار تک پہنچا دے کہ تیری عظمت منوا سکوں ذرا اعتماد ملاحظہ ہو کر دعا کی اور لشکر دریا میں ڈال دیا۔

یعنی اپنے ارادے اور خواہش کو اللہ کے حضور پیش کر دیا اور اپنے خلوص پہ اتنا یقین کہ واقعی یہ سارا کام صرف اللہ کے لئے کر رہا ہوں اگر ایسا نہیں تو غرق دریا بہتر اور واقعی اس کے خلوص نے دریا کی شوریدہ سری کو شکست دیدی اللہ اللہ کیا آج بھی ہم اپنے اعمال اسی طرح پیش کرنے کی جرأت رکھتے ہیں کہ خدایا یہ کام میں صرف تیرے لئے اور تیرے حکم سے کر رہا ہوں؟

(حلیۃ الاولیاء ج۔۱ ص۶)

المرشد کے مضمون نگار حضرات

سے معذرت

المرشد کی تنگیٔ دامن کے پیش نظر ادارہ نے ۴۸ کے بجائے ۵۶ صفحات کر دیئے ہیں جس سے ادارہ پر خرچ بھی زیادہ پڑا مگر اس کے باوجود اکثر مضامین بروقت اشاعت سے بہرہ ور نہیں ہوتے اس کی وجہ صرف مزید المرشد کی تنگیٔ دامنی ہے انشاءاللہ مضامین کسی کے ضائع نہیں کئے جاتے بلکہ بحفاظت رکھے جاتے ہیں دیر ضرور ہو جاتی ہے ہم کسی مضمون نگار کو مایوس نہیں کرتے۔

(ادارہ)

دیکھتا چلا گیا

سیلانی کے قلم سے

۱۔ شریعت بل:

عوام سے پوچھا جا رہا ہے۔ کیا تم اسلامی شریعت پر مبنی قانون چاہتے ہو؟ پوچھنے والے کتنے نیک نفس بلکہ "بی بے" لوگ ہیں۔ عوام کے ساتھ زبردستی کا سلوک قطعاً نہیں چاہتے عوام کی پسند کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ مگر عوام میں مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔ مسلم سے یہ پوچھنا کہ کیا تو اسلام چاہتا ہے؟ دانشورانہ ذہانت کی معراج ہے۔ غیر مسلم سے یہ سوال دراصل اسکی دلجوئی ہے۔ مگر یہ سوال پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی جبکہ:۔

۱) پاکستان کے معرض وجود میں آنے کا محرک یہی مطالبہ تو تھا کہ مسلمان قوم ایسا خطۂ زمین چاہتی ہے جہاں صرف اسلام کا قانون رائج ہو۔

۲) پاکستان بن گیا۔ بکری اڑ کے چلی گئی مگر جو لیونگ چھوڑ گئی اس کے لیے اسلام اتنا ہی اجنبی تھا جتنا کسی غیر مسلم کے لئے ہوتا ہے۔ پھر بھی عوام کے دباؤ کے تحت قرارداد مقاصد پاس ہو گئی۔

(۳) پھر کبیرا چپ "مگر ۲۲ علماء نے متفقہ طور پر اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے فیصلہ دے دیا۔

(۴) ایک عظیم آمر کا تختہ الٹنے کے لیے "نظام مصطفیٰ" کی تحریک چلی۔

(۵) مارشل لاء لگا دیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ اسلام نافذ ہو کے رہے گا۔

(۶) مارشل لاء اٹھ گیا جمہوریت آگئی قوم سے مطالبہ ہوا کہ بتاؤ اسلام چاہتے ہو یا نہیں۔ اگر جواب ہاں میں ہے تو صدر ضیا صاحب کو صدر تسلیم کرو۔ عوام نے "ہاں" بھی کیا اور تسلیم بھی کر لیا۔

(۷) جمہوریت نے کہا اسلام ہم نافذ کریں گے مگر اس کے لیے نمائندے تم چنو۔

(۸) قوم نے اسلام نافذ کرنے کے لیئے نمائندے چن لیئے (۹) اب یہ نمائندے قوم سے پوچھتے ہیں بتاؤ کیا تم اسلام چاہتے ہو ہے۔ کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔

(۱۰) اسلام کا نام لے کر اسلام سے ایسا مذاق اسلام کی تاریخ میں نہیں ملے گا۔

وطن کی محبت کے دعویٰ کے ساتھ وطن کی تباہی کا ایسا منصوبہ انسانی تاریخ میں نہیں ملے گا۔

لا الہ الا اللہ پڑھ کر اللہ کے ساتھ یہ دھوکا ڈھونڈے نہیں ملے گا۔

ے زخم، زخم پہ نمک پاشی : تو نے کی خوب ہی دوا شاباش

۲۔ ایک خبر: ایک عظیم مذہبی اور سیاسی جماعت کے عظیم رہنما کے متعلق خبر چھپی ہے کہ آپ سے شریعت بل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے لاعلمی کا اظہار فرمایا"۔ اس لاعلمی کی ایک وجہ تشہیر کرتے ہیں احتیاط کا پہلو پیش نظر رکھتا ہو۔ یا یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت مجیب کا نظریہ حیات یہ ہو کہ ے

مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا

مگر حالات بتاتے ہیں کہ ان میں سے کوئی وجہ بھی یہاں نہیں دکھائی دیتی کیونکہ ملک کی بے شمار اسلامی تنظیمیں جماعتیں اور تحریکیں شریعت بل کے حق میں بیان بھی دے چکی ہیں اور دستخطوں کی مہم بھی چلا چکی ہیں اور ۱۵ غیر اسلامی اور مخالف اسلام تنظیمیں یہ چیلنج بھی دے چکی ہیں کہ شریعت بل پاس نہیں ہونے دیا جائے گا اور اگر ہو بھی گیا تو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اندریں حالات یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا عظیم سیاسی لیڈر اور مذہبی پیشوا لاعلمی کا اظہار کرے اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے ے

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

ہاں ایک وجہ ہو سکتی ہے جو لاعلمی کی تو نہیں لاتعلقی کی ہو سکتی ہے۔ مسجد میں اذان ہوئی دو عورتیں بیٹھی سنتی رہیں جب اذان ختم ہوئی تو ایک نے دوسری سے پوچھا اذان کس نے دی؟ دوسری نے جواب دیا" چاچا مہرو" نے دی پہلی سنکر کہنے لگی اچھا تو کلمہ بھی اسکی بیوی ہی پڑھے گی۔

ے

ہائے ان مالیوں نے باغ اجاڑا اپنا

نماز ـ کیوں؟

از پروفیسر حافظ محمد شریف ـ چکوال

کون نہیں جانتا کہ حضرت انسان ، خالق ارض وسماء کی سب سے زیادہ معزز مخلوق اور اس کی تخلیق کا کامل ترین نمونہ ہے ۔ اللہ نے اسے کرۂ ارض پر اپنا خلیفہ بنایا اور اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا ۔ اسے عقل و شعور اور علم و فہم کی روشنی سے نوازا سب سے بڑھکر یہ کہ انسان کے مخصوص مزاج اور اس کی فطرت کے عین مطابق ، مالکِ کائنات نے اُسے ایک کامل و اکمل نظام حیات (CODE OF LIFE) عطا کیا تاکہ وہ نیابت الٰہی کا فریضہ کما حقہٗ ادا کر سکے ۔

نماز کیا ہے؟ اسی خدائی نظام حیات کا ایک اہم ترین جزو ہے جسے افضل العبادات کہا گیا ہے ۔ نماز کی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید میں تقریباً ۷۰۰ آیات میں اس کی ترغیب دی گئی یا عدم ادائیگی کی صورت میں انجام بد سے ڈرایا گیا ہے اسلام کے دیگر احکامات تو بذریعہ وحی نازل ہوئے مگر نماز کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلا کرامت محمدیہ کو ہدیۃً دیا گیا اور اسی بنا پر نماز کو "تحفۂ معراج" اور "معراج المومنین" قرار دیا گیا ۔ ایک مقام پر یوں گوہر افشانی فرمائی کہ ایمان اور کفر کے درمیان صرف نماز چھوڑ دینے کا فرق ہے ۔ اور پھر یہاں تک فرمایا جس نے جان بوجھ کر فرض نماز ترک کی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری الذمہ ہیں ۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ ــــ فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ یعنی حکیم و دانا کا کوئی فعل (حکم) حکمت سے خالی نہیں ہوتا ۔ اسی کلیئے کے مطابق نماز جیسے حکم میں لاتعداد فائدے اور حکمتیں نیز معاشی ، معاشرتی اور انفرادی مصلحتیں پوشیدہ ہیں جو ایک حقیقی نمازی ہی محسوس کر سکتا ہے جس نے شہد چکھا ہی نہیں وہ اس کی مٹھاس کیا جانے ! لہٰذا فریضۂ نماز کے چند انفرادی و اجتماعی محاسن کا تذکرہ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ۔

ع ـ شاید کہ تیرے دل میں اُتر جائے میری بات

دیتو اسی بنا پر سورہ یٰسین میں عہد میثاق کے حوالے سے فرمایا۔ اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ ...الخ۔ عبادت کیا ہے؟ عقیدت واحترام کے ساتھ اطاعت ہی کا نام عبادت ہے لہٰذا اللہ کریم نے یہ حقیقت ابتداء ہی سے واضح فرما دی کہ اگر میرے ساتھ اطاعت وعبادت کا تعلق قائم نہیں کرو گے (جسکی اعلیٰ ترین شکل نماز ہی ہے) تو لازماً شیطان سے تعلق قائم ہو جائے گا جو تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

(ج) نماز۔ پرسکون زندگی کا سرچشمہ

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ موجودہ دور کی حیرت انگیز ایجادات اور تمامتر مادی ترقی کے باوجود ہر طرف خوف وہراس بے چینی اور بیزاری پھیلی ہوئی ہے حقیقی سکون اور راحت وآرام کی دولت سے وہ لوگ بھی محروم ہیں جو مادی آسائشوں اور دولت و اقتدار کے نشے میں چور ہیں۔ آج کا انسان کسی ایسے وسیلے کا محتاج ہے جو اس کی بیزاری اور بے بسی کا تدارک کر سکے اور وہ اطمینان کا سانس لے سکے۔

زندگی کو پرسکون اور خوشگوار بنانے کے لئے قرآنی نسخہ کا جزو اعظم نماز ہی ہے جو بندۂ مومن کو مسلسل اللہ سے وابستہ رکھتی ہے۔ ارشاد ربانی اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِىۡ (میری یاد کے لئے نماز قائم کرو) کے مصداق نماز ذکر الٰہی کی کامل ترین صورت ہے اور یہی اسکی حقیقی روح ہے۔ اہل ذکر بخوبی جانتے ہیں کہ ذکر الٰہی سے قلبی اضطراب بے چینی اور افکار کی آوارگی ختم ہو جاتی ہے نتیجۃً پوری زندگی کا رخ صحیح ہو جاتا ہے اور حقیقی اطمینان کی دولت حاصل ہوتی ہے جیسے فرمایا اللہ نے

اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ (رعد)

(یعنی خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے)۔ بقول حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ — مسجد کی ٹوٹی پھوٹی چٹائیوں سے اجیاں نماز اور یاد الٰہی کے انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے (وہ قیمتی لعل وگوہر حاصل ہوتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں بھی نہیں ہوتے۔ حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ذکر الٰہی کی ایسی محفلوں اور مساجد کو بجا طور پر جنت کے باغ فرمایا گیا ہے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ان باغوں کی مہک سے صبح وشام تازگی اور مسرت حاصل کرتے رہتے ہیں۔

قرآن وسنت شاہد ہیں کہ نماز مصائب وآلام کا تریاق اور ہمارے دکھوں کا علاج شافی ہے۔ جب کوئی مسلمان کانٹوں کی دلدل میں پھنس جائے تو الٰہی صورت میں اسے حکم ہے کہ

اَسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ) (یعنی نماز
اور صبر سے اللہ کی مدد چاہو۔) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم نے عملاً یہی سنت قائم کی کہ جب بھی کسی
انفرادی یا اجتماعی خطرے کا الارم ہوا، آپ نے امت
کو نماز کی تاکید فرمائی۔ سورج یا چاند گرہن کا پریشان
کن موقعہ ہو، کسی ارضی و سماوی آفت کا خطرہ
ہو، حالت جنگ ہو، سفر سے واپسی کا وقت ہو یا کوئی
حاجت اور مشکل پیش آجائے۔ ہر صورت میں آپ
نے نماز کی تعلیم دی تاکہ ممکنہ بے چینی اور اضطراب
کا سدباب ہو جائے۔ حدیث میں واضح طور پر آتا
ہے کہ جب کسی نماز کا وقت داخل ہو جاتا تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیتے
اور فرماتے ۔۔۔

اے بلالؓ ہمیں اذان سے راحت پہنچاؤ۔

گویا اذان سنتے ہی مسلمان کے دل کی کلی کھل جاتی
ہے اسے آنکھوں کی ٹھنڈک اور حقیقی راحت حاصل
ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا۔ اَلصَّلٰوۃُ قُرَّۃُ عَیْنِیْ۔

(د) نماز۔ اصلاح معاشرہ کا مؤثر ذریعہ

موجودہ نعرہ بازی اور افراتفری کے دور
میں انفرادی، اجتماعی اور حکومتی سطح پر اصلاح
معاشرہ کے نت نئے پروگرام بنتے اور بگڑتے
ہیں ۔۔۔ مگر حال یہ ہے کہ ۔۔۔

ع ڈور کو سلجھا رہا ہوں اور سرا ملتا نہیں

ہر معاشرہ افراد سے بنتا ہے لہذا فرد کی اصلاح
کے بغیر کسی معاشرے کی اصلاح کا تصور بھی نہیں کیا
جا سکتا۔ معاشرتی برائیوں کا جو سیلاب ہم اپنے
اردگرد دیکھتے ہیں یہ افراد سے شروع ہو کر پورے
معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لئے جا رہا ہے اور ہمارے
اصلاحی پروگرام ناکام ہوتے نظر آ رہے ہیں۔

دوسری طرف قرآنی اعلان سنیئے۔ فرمایا۔
اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (یعنی بے
شک نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے) فواحش
ومنکرات (ہر قسم کی برائیاں) کا جو بھیانک سیلاب
ہمارے معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے اس کی
بڑی وجہ ترک نماز ہے۔ جیسے مریض کے سرہانے
بہترین و مؤثر ادویات رکھی ہوں، مگر وہ انہیں استعمال
نہ کرے، وہ بالآخر مرض کے آخری درجہ میں پہنچ کر
اپنے آپ کو لاعلاج کر لیتا ہے۔ یہی حالت اس
معاشرے کی ہو جاتی ہے جو نماز جیسے مؤثر ترین ہتھیار
سے برائیوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے بہکتے ہوئے
اس طوفان بدتمیزی کی رو میں بہتا چلا جائے کہ

ع چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اصلاح معاشرہ میں نماز کے مقام اور عمل
کو سمجھنے کے لئے ذرا نماز کی ہیئت ترکیبی ا
([illegible]) کو بنظر غور دیکھیں اور ساتھ

ہی نماز کے الفاظ و معانی اور ان کی حقیقی روح ملاحظہ کریں۔ نماز کا عنوان ــ اللہ اکبر ہے جو اس بات کا اقرار و اعلان ہے کہ اللہ بڑا ہے، اس کا پیغمبر بڑا ہے، قرآن بڑا ہے، اور اسلام بڑا ہے۔ اس خدائی نظام حیات کے مقابلے میں دوسرے تمام نظام باطل اور ہیچ ہیں۔ دوران نماز ایک نمازی کبھی ہاتھ باندھے غلام کی طرح کھڑا ہے کبھی آقا کے سامنے جھکتا ہے کبھی سجدہ ریز ہے۔ زبان پر اس کی عظمت و کبریائی کے بول ہیں اور حرکات و سکنات سے اپنی پستی و عاجزی کا اظہار ہے۔ تکبر، بڑائی، نسلی امتیازات اور دولت و اقتدار کے بُت پاش پاش ہو رہے ہیں اور ساتھ ہی صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنے، گمراہوں کے طور طریقوں سے بچنے کی آرزوئیں اور التجائیں ہو رہی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ محاسبۂ اُخروی کے خوف سے جسم کانپ رہا ہے اور قلب و ذہن پر دنیائے فانی کی بے ثباتی اور عالم جاوداں کو سدھارنے کے نقشے ابھر ابھر کر سامنے آ رہے ہیں اللہ اللہ جو فرد اور جماعت اس بھٹی سے دن بھر میں پانچ دفعہ گزرے وہ کیونکر کندن نہ بنے!

نماز کا یہی تربیتی و اصلاحی پہلو باجماعت نماز میں اور زیادہ نمایاں نظر آتا ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کے تمام طبقوں اور افراد کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ حاکم کو محکوم سے، امیر کو غریب سے، پردیسی کو مقامی سے عربی کو عجمی سے کالے کو گورے سے اسی طرح قریب تر کر دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتحاد پیدا ہو سکے اور باہمی ہمدردی، اخوت و تعاون کی فضا قائم ہو۔ پانچ وقت کی نماز باجماعت ہو جمعہ یا عیدین کا موقعہ ہو یا ایام حج میں مسجد حرام میں مسلمانوں کا بین الاقوامی اجتماع ہو۔ یہ سب اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کی روح پرور عملی مظاہر ہیں جہاں آکر سارے امتیازات اور دنیوی بڑائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور محمود و ایاز ایک ہی سطح پر باہم کندھے ملائے کھڑے نظر آتے ہیں۔ اگر ہمارا معاشرہ نماز کی صفت اتحاد و باہمی اخوت پیدا جائے تو ساری برائیاں نفرتیں اور اونچ نیچ ختم ہو سکتی ہیں اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" (آپس میں ایک دوسرے کے ہمدرد و خیر خواہ ہیں) کا دلپذیر اور مثالی معاشرہ پھر سے قائم ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ نماز جیسا تریاق استعمال ہی نہیں کیا گیا تو شفا کیسے ہو؟

(۱۱) نماز ــ ذریعۂ نجات

نماز کے ان گنت فائدے نہ صرف دنیوی زندگی تک محدود ہیں بلکہ ایمان کے بعد نجات اخروی کا دارومدار بھی بہت حد تک نماز کی کماحقہ ادائیگی

پر موقوف ہے۔ حقوق اللہ میں یہ ایسا بنیادی حق ہے جس کے متعلق میدان حشر میں سب سے پہلے سوال ہوگا۔ کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِہِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مِنْ عَمَلِہٖ صَلٰوتُہٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ .....

ترجمہ:۔ قیامت میں آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب کیا جائے گا۔ اگر نماز صحیح نکلی تو وہ شخص کامیاب و بامراد ہوگا۔"

شیخ سعدیؒ کے الفاظ ہیں۔

روز محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسش نماز بود

سورۃ مدثر میں ارشاد ہے کہ اہل جنت، اہل جہنم کو گرفتار عذاب دیکھ کر سوال کریں گے کہ مَاسَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ۔ یعنی تم کس جرم کی بنا پر جہنم کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ تو وہ مجرمین جواب میں کہیں گے قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ۔ یعنی ہمارا (بڑا) جرم یہ ہے کہ ہم (دنیا) میں نمازیوں میں سے نہیں تھے (نماز نہیں پڑھتے تھے) اس لئے ہم جہنم کے شعلوں کی نذر ہو گئے۔

دوسری طرف سورۃ مومنون (پ ۱۸) میں فرمایا کہ خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنے والے اہل ایمان جنت کے وارث ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ آخرت میں نماز ذریعۂ نجات ہوگی اور اس اہم فریضہ سے غفلت و لاپرواہی دیگر اعمال کو بھی غارت کر دیگی حدیث شریف میں نماز کو بجا طور پر عماد الدین کہا گیا ہے ایسا فریضہ جو سارے دین کی بنیاد ہے جہاں نماز نہیں وہاں بقیہ احکام دین کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی نماز کی برکت سے اللہ سے رابطہ و تعلق مضبوط رہتا ہے اور سارا دین قائم رہتا ہے۔ اگر نماز رخصت ہو جائے تو یہ ساری عمارت دھڑام سے نیچے گر جاتی ہے۔ اسی بنا پر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو ایمان کی نشانی و علامت قرار دیا ہے۔ طائف کے قبیلہ بنی ثقیف نے اسلام قبول کرنے کی ایک شرط یہ رکھی تھی کہ ہمیں نماز معاف کر دی جائے تو اسلام قبول کرتے ہیں آپ نے ان کی یہ شرط قبول نہیں فرمائی اور واضح طور پر ان کو فرمادیا کہ جس اسلام میں اللہ کے حضور جھکنا نہیں (نماز نہیں) وہ اسلام ہی نہیں۔ تم قبول کیا کرو گے! ۔ مگر اس اٹھی دہائی کا اسلام ایسا پکا ہے کہ یہ ہر صورت میں قائم رہتا ہے خواہ اس میں نماز روزہ حج، زکوٰۃ وغیرہ ارکان اسلام میں سے کچھ بھی نہ ہو۔ مگر یہ رواجی اور محض مردم شماری والا اسلام قبر اور حشر میں کام نہیں آئے گا۔ مالک الملک نے آخروی کامیابی اور دخول جنت کے لئے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی قید بھی لگا رکھی ہے۔ (اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) اور اعمال صالحہ میں سرفہرست نماز ہی ہے۔

عجلوا بالصلوٰۃ قبل الفوت
عجلوا بالتوبۃ قبل الموت

غزواتِ نبی ﷺ اور اُن کے اثرات

ام زاہد

زندگی کا وہ طرز اور جینے کا وہ ڈھنگ جو خالق انسان کو پسند ہے اسلام کہلاتا ہے۔ یہ طرز اختیار کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کی حقانیت کا یقین ہونا ضروری ہے اسی کو ایمان کہتے ہیں پھر اس یقین کے مطابق عملی زندگی اختیار کرنا اس کا عملی ثبوت ہے۔ عملاً اس تسلیم کا نام اسلام ہے۔ ظاہر ہے کہ چونکہ پسند و ناپسند کے معیار مختلف ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ ہر شخص اس طرز زندگی کو جسے اسلام کہتے ہیں تہ دل سے اختیار کر لے۔ اسلام قبول نہ کرنے والے لوگ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو نہ خود اپنی روش بدلنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور دوسروں کو حق کے قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور اگر کوئی قبول کر لے تو اسے ایذا دیتے اور حق کی راہ روکنے میں تن من دھن لگا دیتے ہیں۔

اسی طرح حق کو قبول کرنے والے بھی دو قسم کے ہوتے ہیں اول وہ جو اپنی ذات کی حد تک حق کی راہ پر چلنے کی پوری کوشش کرتے ہیں مگر نہ تو دوسروں کو دعوت دینے کا سلیقہ آتا ہے نہ حق کا راستہ روکنے والوں سے مقابلہ کی ہمت ہوتی ہے دوسرے وہ جو اپنی ذات کی حد تک حق کی راہ پر چلنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے مگر اس پر مطمئن نہیں ہوتے بلکہ حق کا پیغام دوسروں تک پہنچانے میں انتہائی جدوجہد کرتے ہیں اسی کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

جب ان کی راہ روکنے کے لئے باطل میدان میں آجاتا ہے تو اس وقت حق کی خاطر جان کی بازی لگا دینا یہ لوگ اپنا فرض سمجھتے ہیں اس کو قتال فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلے میں لوگوں کے مختلف مدارج ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے اعلیٰ درجہ کی نشاندہی کرتے ہوئے اللہ کی آخری کتاب بتاتی ہے۔

الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اولئک اعظم درجۃ عند اللہ۔

اور نبی کی ذات تو سراپا دعوت ہوتی ہے اور کفر کے لئے سب سے زیادہ ناقابل برداشت نبی کا وجود ہوتا ہے۔ اس لئے نبی کو دعوت کے سلسلے میں جہاد اور قتال فی سبیل اللہ دونوں مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسی کلیہ کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ کفر و اسلام کے جس معرکہ میں نبی کریمؐ بنفسِ نفیس شامل ہوئے اسے غزوہ کہتے ہیں جس کی جمع غزوات ہے جس معرکہ میں حضور اکرمؐ خود شریک نہ ہوئے ہوں اس کو سریہ کہتے ہیں جس کی جمع سرایا ہے۔

غزواتِ نبویؐ کی تعداد تقریباً تیس تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے دس غزوات نسبتاً زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ ان غزوات کا اثر اس دور کے معاشرہ پر اور رہتی دنیا تک کے انسانوں پر جو پڑا اسے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

اوّل مجموعی اثر یعنی ہر غزوہ کا بلا امتیاز مرتب ہوا یوں سمجھئے کہ تمام غزواتِ نبویؐ میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ اثر اس دور کے معاشرہ پر ہی نہیں بلکہ ہر انسانی معاشرہ جو تاریخ سے سبق لینے کا خوگر ہے اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جنگ میں فتح کے لئے چار عوامل ایسے ہیں جنھیں فیصلہ کن کہا جا سکتا ہے۔ اول افرادی قوت، دوم اسلحہ، سوم فنی مہارت چہارم مورال۔

غزواتِ نبویؐ میں بدر سے لے کر تبوک تک تمام معرکوں میں مسلمانوں کی تعداد ہمیشہ کفر کے مقابلے میں کم نظر آتی ہے کہیں نصف کہیں تہائی کہیں اس سے کم و بیش یہ حال ہے افرادی قوت کا۔ جہاں تک اسلحہ کا تعلق ہے اس کے اعداد و شمار افرادی قوت کے تناسب سے بھی کم نظر آتے ہیں۔ بدر ہی کو دیکھئے مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳، دو یا تین گھوڑے ہیں ستر اونٹ ہیں۔ دو زرہیں ہیں کسی کے پاس تلوار ہے کسی کے پاس نیزہ کوئی خالی ہاتھ اور مقابل میں ایک ہزار جنگجو، ۶۰۰ زرہ پوش پیادہ، ۱۰۰ زرہ پوش گھڑ سوار اور ۷۰۰ اونٹ۔

رہا فنی مہارت کا تعلق تو یہ وہ لوگ ہیں جو رات مصلیٰ پہ گزارتے ہیں دن کو مزدوری کرتے ہیں۔ فنی مہارت کہاں سے حاصل ہو۔

بس ان کے پاس ایک ہی ہتھیار تھا اور وہ ہے "مورال"۔ مگر ان کے مورال کی حالت یہ تھی کہ انھیں جینے کی نسبت مرجانا زیادہ پسند تھا۔ کیونکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ یوں مرجانا درحقیقت اس طرح زندہ ہونا ہے کہ جس کے لئے مرنا بھی نہیں رہا موت نہیں بلکہ وہ زندگی اسی عیش و راحت کی زندگی ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے اسی مورال کا

نام ایمان ہے چنانچہ اس دور کے مسلمان بلکہ کافر بھی یہ حقیقت ماننے پر مجبور ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی فتوحات کا سبب کوئی مادی قوت نہیں بلکہ محض تائید الہی ہے۔

غزوات نبویؐ میں یہ حقیقت نا قابل تردید حقیقت بن چکی تھی۔ خلافت راشدہ میں بھی یہی اسی کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے مسلمانوں کی فوج کا دریا میں گھوڑے ڈال دینے کا منظر دیکھ کر ایرانیوں کا یہ کہنا کہ "دیوان آمدند" اور یہ کہہ کر بھاگ جانا اسی حقیقت کی ایک جھلک ہے

۲۔ دوسرا عمومی اثر یہ ہے کہ جب اللہ کا آخری نبیؐ اللہ کے دین کی خاطر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان قتال میں آجاتا ہے تو جو شخص اپنے آپ کو اس کا نام لیوا سمجھتا ہو اس کے لئے یہ کیونکر جائز ہے کہ وہ ایسے موقع پر جان بچاتا پھرے۔

۳۔ غزوات نبویؐ میں مجاہدین کے لئے جو ہدایات اور جو احتیاطیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملتی تھیں انہیں دیکھ کر کفار بھی جنگ اور جہاد میں فرق محسوس کرتے ہیں۔

؎ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

مومن کا مقصد دین حق کی حقانیت کی شہادت دینا ہے۔ یہ شہادت وہ اپنے وقت کی قربانی سے دے، مشاغل کی قربانی سے دے، گھر بار، مال و دولت کی قربانی سے دے یا جان قربان کرکے شہادت دے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اور آپ کے سامنے مسلمان پورے تیرہ برس تک مکہ میں کفار کے ظلم سہتے رہے۔ مگر کفر کے مقابلے میں ہاتھ نہیں اٹھایا۔ مدینہ پہنچکر ۲ برس تک یہی کیفیت رہی۔ آخر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اُذِنَ لِلَّذِینَ یُقَاتَلُونَ الخ
یعنی جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے وہ مظلوم ہیں اس لئے اب انہیں جنگ کی اجازت دیدی گئی۔ تو مسلمانوں نے میدان جنگ میں کفر کا مقابلہ کیا جس سے دنیا کو یہ سبق ملا اور یہ حقیقت واضح ہوئی کہ حضور اکرمؐ کی تربیت یہ ہے کہ مومن کی جنگ ہو تو اللہ کے لئے اور صلح ہو تو اللہ کے لئے مومن کی ذاتی دشمنی کسی سے نہیں، بلکہ جو اللہ کا دشمن ہے مومن بس اس کا دشمن ہے دوسرا یہ کہ مومن کی جنگ ہمیشہ دفاعی حیثیت کی ہوتی ہے جارحیت اور ایمان کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔

جہاں تک ہر غزوہ کے انفرادی اثرات کا تعلق ہے وہ یہاں صرف اجمالی طور پر بیان کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی دعوت کو نقصان
پہنچانے والی دو زبردست طاقتیں عرب میں موجود
تھیں۔ ایک قریش دوم یہود۔ غزوۂ بدر میں قریش
کی طاقت کو وہ دھچکا لگا کہ پھر وہ اپنی انتہائی کوشش
کے باوجود سنبھل نہ سکے۔ ان کے سردار اور اسلام کے خلاف
جنگ کی آگ بھڑکانے والے بدر میں موت سے
ہمکنار ہو چکے تھے پھر قیدیوں سے فدیہ وصول کر کے
ان کے بُت پندار کو پاش پاش کر دیا گیا۔

۲۔ غزوۂ احد میں سبق ملا کہ اللہ کے رسولؐ کی بات
بے چون و چرا مان لینے میں ہی کامیابی ہے
" ارشاد رسولؐ سے ہٹ کر کوئی کام
کرنا خواہ کتنی نیک نیتی سے ہو آخر کار
نقصان دہ ثابت ہوتا ہے"

غزوۂ احد میں پچاس تیر اندازوں کا اس مقام
کو چھوڑ دینا جہاں جمے رہنے کی اللہ کے رسولؐ نے
تاکید فرمائی تھی۔ ایسی غلطی تھی جس نے فتح کو
شکست سے تبدیل کر دیا۔ مگر اس کی وجہ جو
مورخین لکھتے ہیں کہ مال غنیمت کے لالچ میں
وہ جگہ چھوڑی یہ خلاف حقیقت نظر آتی ہے جب
بدر میں ہی مال غنیمت کے متعلق اللہ نے فیصلہ
دیدیا تھا کہ فان للہ خمسہ وللرسول
ولذی القربیٰ ۔۔ الخ تو مال غنیمت سمیٹنے کا
جذبہ صحابہؓ میں کہاں رہ گیا تھا کہ اس لالچ
میں آ گئے، نہیں بلکہ ان کی اجتہادی
غلطی تھی کہ وہ سمجھے کہ جب فتح ہو گئی تو
اب دوسرے حکم کے انتظار کی کیا ضرورت
ہے۔

۳۔ غزوۂ احزاب میں تمام قبائل عرب کو یہ
محسوس کرنا پڑا کہ اب مسلمانوں کا مقابلہ
میدان جنگ میں مشکل ہے۔

۴۔ غزوۂ بنو نضیر، بنو قریظہ اور خیبر نے
یہود کی قوت کا خاتمہ کر دیا۔

۵۔ غزوۂ موتہ وہ پہلی جنگ ہے جو مسلمانوں
نے ملک عرب کی حدود سے باہر حکومت
روما کے خلاف لڑی۔ اور رومن ایمپائر
اس وقت کی سپر پاور تھی۔ اس کا اثر
یہ ہوا، ہمسایہ سپر پاور کو احساس ہو گیا کہ
مسلمانوں میں کس بل ہے۔

۶۔ فتح مکہ، غزوۂ حنین مسلمانوں اور
مشرکین عرب کے درمیان یہ دو آخری
معرکے تھے جن کے بعد اہل عرب نے
بت پرستی سے جان چھڑائی اور دھڑا
دھڑ اسلام کی آغوش میں آنے لگے
عرب کے اکثر قبائل کا یہ نظریہ تھا کہ اگر قریش
مغلوب ہو گئے تو اسلام واقعی سچا مذہب
ہوگا۔ چنانچہ فتح مکہ نے یہ ثابت کر دکھایا۔

پھر فتح مکہ کے موقعہ پر جب وہ سب قریش جو تیرہ برس تک مسلمانوں کو اذیتیں دیتے رہے جنگی قیدی کی حیثیت سے حضور اکرمؐ کے سامنے پیش ہوئے تو آپؐ نے کسی سے یہ نہ کہا کہ تو نے یہ کرتا رہا۔ بلکہ تمام معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقا۔

"جاؤ تم آزاد ہو میں تمہیں کچھ نہیں کہتا"

اس اقدام نے رہتی دنیا تک کے ہر انسان کو بتا دیا کہ نبی رحمتؐ جو دین لایا ہے وہ دین رحمت اور دین فطرت ہے اور وہی خدائے رحیم وکریم کا پسندیدہ دین ہے۔

(۷) غزوہ تبوک کا اثر یہ ہوا کہ جہاں یہ رومی حکومت کو یہ محسوس ہو گیا کہ مسلمان اس شدید گرمی میں جبکہ ان کی فصلیں پکی تھیں منزلوں پہ منزلیں طے کرتے ہوئے جو تبوک پہنچ گئے ہیں ان کا مقابلہ گویا موت کا مقابلہ ہے۔

اس سے رومی خوفزدہ ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی منافقین مدینہ کو بھی یقین ہو گیا کہ اب اس طاقت کے سامنے بند باندھنا ممکن نہیں مختصر یہ کہ غزوات نبویؐ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ:

جاء الحق وزھق الباطل۔ ان الباطل کان زھوقا

اسلام کی پہلی تین پشتوں میں تصوف اتنی عام تھی کہ اسے کسی خاص نام کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن حب دنیا پرستی عام ہو گئی اور لوگ دنیوی زندگی کے بندھنوں میں بُری طرح پھنس گئے

تو اپنے آپ کو

اللہ کی عبادت کے لئے وقف کرنے والوں کو

"صوفی" کا لقب دیا گیا تاکہ وہ دوسروں سے ممیز ہو سکیں

(مقدمہ ابن خلدون باب ۱۱)

آپ اپنے ملک میں اسلامی ریاست قائم کرنے کیلئے کیا تجاویز پیش کرتے ہیں؟

بنتِ بیان

موجودہ حالات میں یہ سوال جتنا اہم ہے اتنا ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ مشکل اس کا جواب دینا ہے۔ اور اس سے بھی کہیں زیادہ مشکل اس جواب کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ مگر مشکلات پر قابو پانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ نیک نیتی سے عزم مصمم کے ساتھ ہمت صرف کر دینی چاہیے۔

سب سے پہلے اس کلیے پر یقین کرنا چاہیے کہ تعمیری کام ہمیشہ نیچے سے شروع ہوتا ہے اور اوپر کو جاتا ہے۔

پھر یہ طے کرنا چاہیے کہ اسلامی ریاست سے مراد کیا ہے؟

اس سوال کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ جس ریاست میں قرآن و سنت کے قانون کو بالادستی حاصل ہو اور کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہ بنے نہ رائج ہو اس ریاست کو اسلامی ریاست کہتے ہیں۔

اب پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کا قانون کتابوں میں موجود ہے اور اس بنیاد پہ جو قانون وقتاً فوقتاً تیار ہوتا رہا وہ اسلامی ریاستوں میں نافذ اور رائج بھی ہوتا رہا۔ تو پھر اسے یہاں کیوں نافذ نہیں کیا جاتا۔

اس سوال کے جواب کے لیے اس کلیہ پہ بحث کرنے کی ضرورت ہے جس کا ذکر ابتدا میں ہوا ہے۔

ریاست کا وجود بظاہر تو جغرافیائی حدود سے بنتا ہے مگر درحقیقت کسی خطے میں جب بہت سے افراد معاشرہ یا قوم یا جماعت کی صورت میں بستے ہیں اس پہ ریاست کا قانون نافذ ہوا کرتا ہے۔ معاشرہ کی بنیادی اکائی ایک گھر یا کنبہ ہے گھر یا کنبہ بنتا ہے چند افراد کے مجموعے سے۔

اب لیجیے تعمیر کا کام تو اسلامی ریاست

کی تعمیر کے لئے پہلی تجویز یہ ہے کہ ملک کا ہر فرد اپنی ذات پر کتاب و سنت کا قانون نافذ کرنے کا عزم مصمم کرے اور ہر اس قانون ، نظریہ ، تحریک ، مشورہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو جب ہر فرد پہ اسلام نافذ ہو جائے گا تو یوں سمجھئے کہ ہر گھر کیلئے بھی اسلام نافذ ہوگیا۔ گویا اسلام آگیا جب یہ گھروں اور کنبوں سے آگے بڑھیں تو ہر محلہ پھر ہر شہر اور پھر پوری سلطنت اسلامی ریاست بن گئی۔

مگر سوال ہے اس تجویز پہ عمل کرنے کا۔ قوم کی حالت یہ ہے کہ ہر فرد دو رنگی اور تضاد کا شکار ہے نہیں بلکہ رسیا ہے ہر فرد چاہتا ہے کہ ملک میں اسلام نافذ ہو مگر وہ اس طرح کہ مجھے اپنی ذات پہ اسلام نافذ نہ کرنا پڑے۔

دوسری قسم ان افراد کی ہے جو چاہتے ہیں کہ کچھ اسلام بھی چلے کچھ کفر سے بھی رشتہ قائم رہے

انہیں شوق عبادت بھی ہے اور گناہ کی عادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں ان کے منہ سے ٹھہریاں بن کر

اس لئے معاشرے کی عملی زندگی میں اس قسم کے "نیک نیت" افراد کا رویہ کچھ اس طرح بھی ہوتا ہے کہ

مغربی شوق بھی ہے وضع کی پابندی بھی
اونٹ پر چڑھ کے تھیٹر کو چلے ہیں حضرت

یہی وجہ ہے کہ اب ملک میں جو اسلام نافذ ہو رہا ہے اس میں قومی پیمانے پہ اس دو رنگی کا اظہار ہوتا ہے مثلاً سودی کاروبار بھی بدستور چلے مگر ایک کاؤنٹر PLS کا بھی کھول دیا جائے انگریزی قانون کے مطابق عدالتیں پورے جوبن پہ کام کریں ایک کونے میں شرعی عدالت کی کرسی بھی بچھا دی جائے جیسے بکرے کا گوشت بھی بکے مگر ساتھ ہی سور کے گوشت کی دکان بھی کھلی موجود ہو۔

مسلمان پہ زکوٰۃ فرض ہے مگر جس کا جی چاہے زکوٰۃ دے جو نہ دینا چاہے بڑی خوشی سے بڑے فن کے ساتھ "نہ" کر دے۔

دنیا بھر میں مشہور کیا جائے کہ یہاں اسلام نافذ ہو رہا ہے۔ اور دوسرے ممالک میں اسلامی ثقافت کی نمائندگی کیلئے "ڈوموں، بھانڈوں کو بھیجا جائے۔ یہ رویہ قوم کے اس نیک نیت اور نیک سیرت طبقہ کا رویہ ہے جو "انفرادی" سے گذر کر قومی پیمانے پہ دو رنگی اور تضاد کی نمائندگی کرتا ہے تو میری پہلی تجویز یہ ہے کہ ہر فرد اپنی سیرت و کردار میں اس تضاد کو رفع کرے۔ سینما کی سٹیج پہ ایکٹنگ سے کام چل سکتا ہے۔ یوسف خان بھی دلیپ کمار بن سکتا ہے۔ مگر قومی سطح پہ اور رب العلمین

کے سامنے یہ ایکٹنگ بڑی مہنگی پڑ رہی ہے اور اس سے بھی زیادہ مہنگی پڑے گی۔

دوسری تجویز کیلئے اکبر کا ایک قطعہ بار بار سامنے آرہا ہے۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی، آدمی بناتے ہیں
جستجو ہم کو آدمی کی ہے
وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

اسلامی ریاست قائم کرنے کے لئے دستور اور قانون کی تلاش کی ضرورت نہیں وہ تو موجود ہے ضرورت ہے ان انسانوں کی جن میں صرف ایک وصف موجود ہو کہ وہ اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کی تدبیریں سوچنے کی جگہ کتاب وسنت کے قانون کی بالادستی قائم کرنے کی تدبیریں سوچیں اور عمل میں لائیں خواہ ان کا اقتدار رہے یا جائے۔

سوال یہ ہے کہ ایسے آدمی کہاں سے ملیں اور کیسے ملیں جواب یہ ہے کہ اس کا طریقہ جمہوریت اور انتخاب ہے درست مگر جو جمہوریت رائج ہے اس کا اصول ہے کہ ہر بالغ آدمی اس کا اہل ہے کہ وہ فیصلہ دے کہ کون اسلامی قانون کی بالادستی قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس بالغ رائے دہی کا تجزیہ کیجئے۔

رائے دہندگان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو چور ہیں، ڈاکو ہیں، قاتل ہیں، سمگلر ہیں۔ راشی ہیں، غبن کرنے والے ہیں، جرائم پیشہ ہیں یقین نہ آئے تو اخبارات پڑھیں اور نوائے وقت کا "شکایات سیل" پڑھیں۔

ظاہر ہے کہ جب وہ بالغ ہیں ان کی رائے حق ہے تو کیا عقل کا فیصلہ یہ نہیں کہ چور ہمیشہ اس کو ووٹ دیگا جو مہا چور ہو یا چوروں کی پشت پناہی کر سکتا ہو۔ ان سارے اوصاف پر نگاہ کیجئے تو بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر جو بزرگ انتخاب جیتیں گے لازماً ان میں یہ اوصاف ووٹروں کی نسبت کہیں زیادہ موجود ہوں گے۔ اور اصول بھی یہی ہے کہ زہریلے دودھ کو بلویا جائے تو جو مکھن نکلتا ہے اس میں سارے دودھ کا زہر سمٹ آیا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک بالغ رائے دہندگی کا اصول موجود ہے اس جمہوریت سے اسلامی ریاست قائم کرنے کے نمائندے نہ نکل سکتے ہیں نہ سامنے آسکتے ہیں۔

یہ دو تجویزیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان کو عملی جامہ کون پہنائے گا؟

بیا درید گر ایں جا بود زباں دانے
غریب شہر سخنہائے گفتنی بود

۔۔۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

ڈاکٹر عابد حسین

انسان دو چیزوں کا مرکب ہے۔ بدن اور روح جیسے بدن کی زندگی کا دار و مدار غذا پر ہے اسی طرح روح کی زندگی ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے۔

روح کی کیا حالت ہے؟ بیمار ہے یا تندرست۔ اور اگر تندرست ہے تو کس قدر اس میں قوت پرواز ہے! اہل بصیرت یہ سب کچھ اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں مگر ہمارے پاس اپنی روح کی حالت کو جانچنے کا کیا معیار ہے؟

روح کی زندگی ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے اور تمام عبادات ذکر و شغل کا حاصل یہ ہے کہ غیر اللہ سے نظر ہٹ جاوے اور دل حق تعالیٰ کی طلب میں لگ جائے یعنی تعلق باللہ مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے قرب خداوندی اور رضا الٰہی کا حاصل ہونا سب سے بڑی نعمت ہے اور یہی مقصود ہے۔

آئیے اپنے عیوب باطنی کی طرف نگاہ کریں اور دیکھیں کہ ہمارا تعلق اپنے مالک، اپنے خالق سے کیسا ہے، اور کس قدر ہے؟

(۱) ہمیں جس قدر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی۔ اسی قدر رب ذو الجلال سے تعلق ہوگا ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر انس اور محبت ہے۔

(ا) ہمارے دل کو جسمانی طور پر کے لوگ حسین لگتے ہیں، وہ لوگ جنہوں نے اپنی شکلوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک کی طرح بنایا ہوا ہے یا کہ وہ لوگ جنہوں نے انگریزوں کی شکل اپنائی ہوئی ہے۔

(ب) ہمارے دل کو کام کرنے کا ڈھنگ آقائے نامدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم والا پسند ہے یا کہ انگریزوں والا۔ ہم کس حد تک آپ کی مبارک سنتوں کو اپناتے ہیں!

(پ) ہمارا دل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت، صحبت (روحانی) اور قربت کے

لئے کس قدر تڑپتا ہے۔

(ت) جب ہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مبارک کے خلاف کوئی کام سرزد ہو جائے تو ہماری کیا حالت ہوتی ہے؟ اپنے آپ کو ملامت کرتے ہیں یا کہ نہیں؟ آنکھوں سے آنسو آتے ہیں یا کہ نہیں؟ خالق کائنات سے معافی مانگتے ہیں یا کہ نہیں!

(ث) جن چیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ انہیں ترک کرتے ہیں یا کہ نہیں؟ اور اگر ترک کرتے ہیں تو عقل سے کام لیکر یا دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔

(۲) رب ذوالجلال اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے لئے ہم کس قدر کوشاں ہیں اپنا کتنا وقت اس مقصد پر لگاتے ہیں۔ کس قدر علم حاصل کرتے ہیں۔

(۳) ہمارا دل کبھی رب کائنات کے دیدار کے لئے تڑپا ہے؟۔

(۴) جب اللہ کی طرف سے ملاقات کا بلاوا (اذان) آتا ہے تو ہماری کیا حالت ہوتی ہے۔

(۵) نماز کے دوران خالق کائنات سے ملاقات کی کیا کیفیت ہوتی ہے،

(۶) ہم اللہ سے کیا مانگتے ہیں؟ دنیاوی چیزیں یا کہ اس کا قرب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا پر فنا ہونے کی توفیق۔

(۷) اگر کبھی دین اور دنیا میں سے ہمیں ایک چیز کو اپنانا پڑے۔ تو کسے ترک کرتے ہیں اور کسے اپناتے ہیں؟ اور اگر دنیا کو ترک کرتے ہیں تو دل کی کیا حالت ہوتی ہے؟۔

(۸) اگر ہمارے دلوں میں اللہ کی محبت کی جگہ اور کسی کی محبت جگہ لے تو اس کا اس سے محبت ہو جائے؟ کیا خطرہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے جس دل میں اس کی محبت ہو گی، اگر وہاں کسی اور کی محبت جگہ پا رہی ہو تو وہ تباہ ہو جائے گی۔

(۹) رب ذوالجلال کی مخلوق سے ہمارا کیا تعلق ہے۔ ہم ان کی حقیقی بھلائی کے لئے کس قدر تڑپتے ہیں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی بھلائی کی خواہش انتہائی حد تک تھی۔ قرآن مجید میں آپ کو مخلوق کی بھلائی کے لئے حریص کے نام سے پکارا گیا ہے اگر ہمارا رشتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط ہو گا تو ہمارے دلوں میں بھی یہ چاہت بہت زیادہ ہو گی اور اگر آپ سے ہمارا رشتہ ٹوٹ چکا ہے تو ہم مخلوق کو بگاڑنے والے ہوں گے۔

(۱۰) جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو ہم اس کا کس حد تک اہتمام کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے خالق سے ملاقات کرنی ہے۔

(۱۱) ہماری دوستی اور دشمنی کیا اللہ کے لئے ہے یا کہ اپنی ذات کے لئے؟

(۱۲) ہمارے دل کو انس اللہ والوں سے ہے یا کہ دنیا داروں سے۔

(۱۳) ہم دنیا داروں سے کس حد تک ڈرتے ہیں ؟ (اللہ والے دنیا داروں سے ڈرا نہیں کرتے)

(۱۴) ہمارا ذریعہ آمدنی کیا طاہر وطیب ہے؟ کیا دل سے یقین ہے کہ روزی پہنچانا اللہ نے اپنے ذمہ لے لکھا ہے۔

(۱۵) جب کبھی کوئی مصیبت یا دکھ آجائے یا کوئی مسئلہ بن جائے۔ تو دل میں کس کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان سے مدد چاہیں۔ کیا اللہ یاد آتا ہے؟ یا کوئی دنیادار۔

(۱۶) ہمیں خواب کیسے آتے ہیں؟ خواب دل کی تمناؤں کا آئینہ ہوتے ہیں۔

(۱۷) ہمارے دل کا دھیان کدھر رہتا ہے۔ خدا کی طرف یا خدا کی مخلوق کی طرف۔

(۱۸) مسجد میں ہمارا دل لگتا ہے یا کہ نہیں؟

(۱۹) جب ہم خدا کی راہ میں کوئی چیز دیتے ہیں تو اس کی (conscious) حالت کیسی ہوتی ہے۔

(۲۰) دنیا میں ہمارا دل لگتا ہے یا کہ نہیں؟

(۲۱) موت سے ڈر لگتا ہے یا کہ نہیں؟

(۲۲) تنہائی میں اور لوگوں کی موجودگی میں نماز پڑھنے میں کوئی فرق پڑتا ہے۔

(۲۳) اگر ہم اللہ اللہ کرتے ہیں تو کیا حصول کشف وکرامت کے لئے کوئی منصب حاصل کرنے کے لئے، خلیفہ مجاز بننے کے لئے یا کہ قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے

شیخ ابن عطاء اسکندری کمال الشیم میں فرماتے ہیں "اپنے عیوب باطنی کی طرف تیرا نگاہ کرنا ان اشیاء کے حصول کی طرف نظر کرنے سے جو تجھ سے پوشیدہ اور غائب ہیں زیادہ بہتر ہے۔

شیطان ہمیں طرح طرح کے فریب دیتا ہے وہ ہمیں ایسے ایسے طریقوں سے بھٹکاتا ہے کہ ہمیں خبر تک نہیں ہوتی ہمارا اپنے رب سے کیا تعلق ہے؟ وہ ہمیں خوش فہمی میں رکھتا ہے حقیقت ہمارے سامنے آنے نہیں دیتا ہمیں چاہیے کہ اپنی حالت پر غور کریں اور اگر کہیں کمزوری ہے تو اس کی اصلاح کریں۔

"باطنی بیماریوں کا علاج کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے سے ہوتا ہے۔"

وفیات

ہمارے سلسلہ کے پرانے ساتھی مولانا علی محمد صاحب، شاہکوٹ کا انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون احباب سے گذارش ہے کہ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

تاثیرِ صلوٰۃ

مرتبہ
محمد نسیم حافظ عبدالرزاق

ارشادِ ربانی ہے نماز برائیوں سے روکتی ہے۔

نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک بطریق تسبیب یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت وتاثیر یہ رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے، جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہیے کہ دوا کے لئے ضروری نہیں کہ اسکی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لئے کافی ہو۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو یعنی بدپرہیزی سے بچے۔ پس نماز بھی بلاشبہ قوی التاثیر دوا ہے۔ جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اسکی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاص مدت تک اس پر مواظبت کی جائے۔ اسکے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اسکی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضا ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الٰہی میں اپنی بندگی فرمانبرداری خشوع وتذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت اور حکومت وشہنشاہی کا اظہار واقرار کر کے آیا ہے مسجد سے باہر آ کر بھی بدعملی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔ گویا نماز کی ہر ایک ادا نمازی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ ارے بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبانِ حال مطالبہ کرتی ہے کہ بےحیائی، شرارت اور سرکشی سے باز آ۔ اب اگر کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منع کرتی ہی رہتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع کرتا ہے پس جو بدبخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے سے باز نہ آئے نماز کے روکنے سے بھی اس کا نہ رکنا کوئی محل تعجب نہیں۔ ہاں یہ واضح رہے

کہ بے نماز کا روکنا اور منع کرنا اس درجہ کا ہوگا جہاں تک اس کے ادا کرنے میں اللہ کی یاد سے غفلت نہ ہو کیونکہ نماز چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں ہے۔ سب سے بڑی چیز اس میں اللہ کی یاد ہے۔ نماز کے ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرأت قرآن یا دعا تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا اور اسی قدر اسکی نماز برائیوں کو چھڑانے میں مؤثر ثابت ہوگی، ورنہ جو نماز قلب غافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھیرے گی جسکی نسبت حدیث میں کہا گیا ہے کہ لم یزدد بہا من اللہ الا بعداً۔ یعنی ایسی نماز سے تو اللہ سے دوری میں اضافہ ہوتا ہے۔ نماز برائی سے کیوں نہ روکے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کی بہترین صورت ہے۔ کما قال تعالیٰ اقم الصلوٰۃ لذکری۔ یعنی نماز قائم کرو میری یاد کے لئے۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے نماز جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا۔ ایک جسد بے روح اور ایک لفظ بے معنی ہے حضرت ابودرداءؓ وغیرہ کی احادیث کو دیکھ کر علماء نے فیصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اصل فضیلت اسی کو ہے۔ یوں عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ سے سبقت لے جائے وہ دوسری بات ہے لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس عمل میں بھی فضیلت اسی ذکر اللہ کی بدولت آتی ہے۔ بہر حال ذکر اللہ تمام اعمال سے افضل ہے جب وہ نماز کے ضمن میں ہو تو افضل تر ہوگا۔ پس بندے کو چاہئے کہ کسی وقت اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو۔ خصوصاً جس وقت کسی برائی کی طرف میلان ہو فوراً اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو یاد کر کے اس سے باز آجائے قرآن و حدیث میں ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو یاد فرماتا ہے۔ بعض سلف نے آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اس لئے نماز بڑی چیز ہوئی لیکن اس کے جواب میں جو ادھر سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو یاد فرماتا ہے یہ سب سے بڑی چیز ہے جسکی انتہائی قدر کرنی چاہئے اور یہ شرف و کرامت محسوس کر کے اور زیادہ ذکر اللہ کی طرف راغب ہونا چاہئے

(تفسیر عثمانی)

بقیہ: ایمان کی حقیقت

قال یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین۔ یعنی (فرمایا) اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا اس کو سجدہ کرنا اسکو جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ یہ تو نے غرور کیا یا تو درجہ میں بڑا تھا

مناظرہ ابلیس میں نسل انسانی کیلئے ایک عظیم موعظت

منصب خلافت سے پہلے ہی یہ سبق نسل انسانی کو دے دیا گیا تھا کہ اسے بھی اپنی اطاعت و القیاد کا امتحان دینا ہوگا اور کامیابی صرف اس صورت میں متصور ہوگی جب رب العزت کی رضا جوئی میں اس کے رسولوں کے لئے بھی بے دلیل وہی جذبۂ اطاعت پیدا ہو جائے جو خود اس کے لئے صحیح ہو سکتا ہے۔ اب یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ رسول کی بات پر بے دلیل یقین کر لینا کیوں رکن ایمان قرار دیا گیا۔

انصار کی محبت علامت ایمان کیوں ہے؟

حدیث شریف میں انصار کی محبت کو علامات ایمان میں اسی لئے شمار کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اعدان کے کنبہ و قبیلہ یا ہم وطن کی محبت ہر مسلمان میں طبعی طور پر ہو سکتی ہے اور ہونی چاہئے۔ مگر انصار کی محبت جو نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قبیلہ تھے نہ ہم وطن اگر ہو سکتی ہے تو صرف اسی لئے کہ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے آڑے وقت اعانت کی تھی جبکہ ان کے قبیلہ تک نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اور بلاشبہ یہ محبت کمال ایمان کا ثمرہ ہی ہو سکتی ہے۔ محبوب تو عاشق کی نظر میں سرتاسر محبوب ہوتا ہے مگر اس میں کمال کیا ہے کہ اس کی ہر ہر ادا عشاق کی دلربائی کا مستقل ایک ایک افسوں ہوتا ہے۔

کمال محبت

کمال محبت تو یہ ہے کہ اس کی رضا میں وہ فنا میسر آ جائے کہ پھر یگانہ و بیگانہ مکروہ و محبوب کا امتیاز جاتا رہے، بلکہ تمام محبت و شفقت و ہمدردی و سلوک تعاون و سازگاری کا وہی ایک محور و مرکز بن جائے۔ مال اور اولاد کا ذکر ہی کیا ہے اپنی ذات سے بھی اگر محبت رہ جائے تو وہ بھی اسی کی خاطر ہو۔

اسی کی راہ میں تمام قربانیاں شیریں بن جائیں، اور اس کے خلاف میں ساری خوشیاں کانٹے نظر آئیں۔ اس کے نام پر گردنیں اتروا دینا حیات ابدی معلوم ہو اور اپنی قربانگاہ سے ایک قدم پیچھے ہٹانا موت ابدی نظر آئے اور یہ سب کچھ اس تصور میں ہو کہ یہ سارا جان نثار دیاں کو اس قابل نہیں کہ محبوب کے لئے قابل نظر ہوں مگر ایک عاشق کی یہ حسرت ہونا چاہئے کہ راہ عشق میں جو قربانی وہ کر سکتا ہے کر گزرے۔

حضرت بلالؓ و عمارؓ کے سرفروشانہ جذبات پر سیرت نگاروں کو حیرت ہے مگر خود ان کی زبانی اگر دریافت کیا ہوتا تو ساقی کوثر کے ہاتھ سے

ان جام پینے والوں سے شاید انہیں شکایت ہوتی جنہیں ان کے ہاتھ سے جام پی کر تکلیف و راحت کا احساس باقی تھا۔

ازاں ابیوں کہ ساقی کردہ بر مست
رفیقاں را نہ سر ماند و نہ دستار

ایمان میں اسی منزل کا نام مقام یقین ہے دیکھو حجۃ اللہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عقل انسانی جب نشۂ یقین سے مخمور ہو جاتی ہے تو قلب و نفس بھی اس سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ پھر عالم غیب پر ان کو محسوسات کی طرح یقین نصیب ہو جاتا ہے۔ فقر و غنا، حیات و موت کے خرخشے سے انسان بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اسباب کے قید و بند سے رستگاری میسر آ جاتی ہے۔

ایمان مذہب کی روح اور بنیاد ہے

یہ ہے وہ ایمان جس پر مذہب کی تمام بنیاد قائم ہے کوئی عقیدہ اپنے دامن میں خواہ کتنی نزاہت اور نفعتیں کیوں نہ رکھتا ہو مگر اس نور ایمانی کے بغیر نظر شریعت میں وہ صرف ایک فلسفکدہ اور سراسر تاریکی ہے۔ کوئی عمل مجاہدات و ریاضات کے خواہ کتنے ہی مراحل کیوں نہ طے کر چکا ہو مگر بدون اس روح ایمانی کے ایک تن مردہ اور آخرت میں بے وزن ہے۔ عقائد و اعمال کا تو ذکر ہی کیا ہے کوئی معمولی سے معمولی نیت بھی خواہ کتنی صاف ستھری کیوں نہ ہو اس سرمایۂ ایمان کے بغیر بارگاہ بے نیاز میں کوئی اعتبار نہیں رکھتی۔ یہ ایمان عقائد و اعمال اور نیتوں کی وہ واحد روح ہے جس کے بعد کفر کی تو یہ تاریکیاں چشم زدن میں کافور ہو سکتی ہیں ایک معمولی سجدہ طاعات صد سالہ کے لئے مایۂ رشک اور مٹھی بھر جو کا صدقہ بے شمار اجر کا مستحق نظر آنے لگتا ہے۔ یہ سب کچھ اس پاک کتاب میں موجود ہے جو غلط گوئی سے بالکل منزہ اور مبالغہ آمیزی سے یکسر مبرا ہے۔

(ترجمان السنہ)

قارئین المرشد و دیگر احباب سلسلہ سے دعائے صحت و توانائی کی استدعا

ہمارے ادارے کے کاتب ۲ ہفتوں سے بیمار ہیں اور کافی کمزور ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اللہ جل شانہٗ ان کو شفائے کلی اور توانائی فراوانی عنایت فرمائے آمین۔

(ادارہ)